فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(بیسواں شمارہ)

پانچواں سال

اگست ۲۰۲۵ء مطابق صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

ایڈیٹر
اصغر مہدی اشعر

اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی اکتالیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

فروغِ مرثیہ

اگست ۲۰۲۵ء بمطابق صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (بیسواں شمارہ)
اشاعت	:	اگست ۲۰۲۵ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
طابع	:	RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی
قیمت فی شمارہ	:	۱۵/ڈالر، ۱۰/پونڈ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com
فون	:	+1-905-462-9211
پتہ	:	441 JELINIK TERRACE, MILTON ONTARIO, CANADA L9T7N2

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴

۲۔گوشۂ فارغؔ سیتاپوری: غیر مطبوعہ کلام ---------- فارغؔ سیتاپوری (انڈیا) ---------- ۶

۳۔گوشۂ سردار نقوی ---------- سردارؔ نقوی (پاکستان) ---------- ۱۳

۴۔سلام و منقبت ---------- ---------- ۲۶

آصفؔ اختر زیدی، احمرؔ شہوار، محکم عابدی، قیصر عباس قیصرؔ، فدا محمد ناشادؔ

۵۔دیدہ وری ---------- ڈاکٹر ناشر نقوی (انڈیا) ---------- ۲۹

۶۔غیر مطبوعہ مرثیہ ''گلاب'' ---------- ڈاکٹر نیرؔ جلال پوری (انڈیا) ---------- ۴۶

۷۔ثامن جعفری، روایتی اندازِ نوحہ خوانی کا پاسدار ---------- سیّد علی ضیا رضوی (امریکہ) ---------- ۶۵

۸۔تعزیت نامہ۔سیّد عابد اصغر جعفری ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۶۷

۹۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- فرخ راجہ (پاکستان) ---------- ۶۸

۱۰۔مرثیے کی تاریخ تقدیس اور یداللہ حیدر ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۷۷

اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱۴۴۷ھ/ ۲۰۲۵ء کا عشرۂ محرم بھی گذر گیا، آج ۱۲ محرم ہے اور غریب خانے میں سوم کی مجلس ہے۔ کینیڈا میں امسال غریب خانے میں عشرۂ مجالس مرثیہ کا انعقاد کیا گیا جو اس عشرے کے انعقاد کا پانچواں سال تھا۔ ان شاء اللہ بہ شرطِ زندگی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس عشرے کی خصوصیات میں سے ایک چیدہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ محرم کے پہلے عشرے میں منعقد کردہ واحد عشرہ ہے جو لکھنؤ کے عشرے ''آلِ محمدؐ کی پسندیدہ ذاکری'' کے ساتھ ساتھ یہاں کینیڈا کے شہر ٹورنٹو کے نزدیک ملٹن میں منعقد ہوتا ہے۔ امسال مجالس کی تعداد ۱۰ رہی جس میں یکم محرم کی مجلس میں جناب صفدر اکبری نے میر انیسؔ کا کہا ہوا مرثیہ پیش کیا، دو محرم کو جناب عمار زیدی نے میر انیسؔ کا مرثیہ پیش کیا۔ ۳ محرم کو جناب جواد امروہوی نے اپنے دادا نسیمؔ امروہوی کے مرثیے معراج سے بند پیش کیے، ۴ محرم کو جناب وسیم ابن نسیم امروہوی نے اپنے والد کے مرثیے سے اقتباس پیش کیا۔ ۵ محرم کو جناب رضا حیدر نے نو تصنیف مرثیہ پیش کیا۔ ۶ محرم کو جناب ساجد علی نے نو تصنیف مرثیہ بعنوانِ ''دوستی'' پیش کیا، ساجدؔ علی صاحب کا یہ تیسرا کہا ہوا مرثیہ ہے اور اساتذہ کی داد اور شاباشی کا مستحق ہے۔ ۷ محرم کو جناب ڈاکٹر سلمان حیدر نے اپنا کہا ہوا مرثیہ بصورتِ نثری نظم واقعۂ کربلا کو حق اور مزاحمت کی ایک تحریک کے طور پر سامعین کے سامنے پیش کیا، ڈاکٹر سلمان حیدر ایک مشاق شاعر ہیں جو دنیا میں ہونے والے واقعات کو ایک الگ احساس سے محسوس کرتا ہے اور اپنے جذبات کو ایک منفرد انداز سے قلم بند کر کے اپنے قارئین اور سامعین سے داد حاصل کرتا ہے۔ ۸ محرم کو جناب علی عرفانؔ نے عزا کے عنوان پر اپنا نو تصنیف مرثیہ پیش کیا، عرفانؔ صاحب کا یہ مرثیہ ان شاء اللہ فروغِ مرثیہ کے اگلے شمارے میں شائع ہوگا، ۹ محرم کو جناب اختر آصفؔ زیدی نے نو تصنیف مرثیہ پیش کیا، اختر آصفؔ صاحب کہنہ مشق شاعر و مرثیہ نگار ہیں اور اپنا مخصوص انداز رکھتے ہیں اور ان کی شاعری کا یہ مختلف انداز سامعین میں بہت مقبول ہے۔

اس عشرۂ مجالس کے اختتام کی مجلس سوم امام حسینؑ کی مجلس آج منعقد ہوئی جس میں ناچیز نے دبیرؔ کا مرثیہ ''انس و ملک وجن کے مددگار ہیں شبیرؑ'' پیش کیا۔

آج اس عشرے کو ۳ دن ہو چکے ہیں مگر دنیا بھر سے ستائش اور دعاؤں کے پیغامات آ رہے ہیں۔ ان مجالس میں جناب اسجد زیدی، جناب حسن طاہر، جناب مزمل عباس، جناب حسین جعفر، جناب شجاعت رضا زیدی، جناب شمیم عباس نے مختلف شعرا کے سلام سے حاضرین و سامعین کی روح تازہ کی اور جناب اطہرؔ حسنین، جناب آصفؔ اختر زیدی، جناب مشرف بخاری، جناب نویدؔ زیدی نے اپنے نو تصنیف سلاموں سے ان مجالس کو مزین کیا۔ نوحہ خوانی کے لیے جناب نوید زیدی، جناب اسجد زیدی، جناب شہزاد مرزا، جناب شجاعت زیدی، جناب شمیم عباس، جناب مزمل عباس اور جناب کامران رضوی کا شکریہ اور حیدر ٹی وی کی ٹیم خصوصاً جناب منظر رضوی کا بہت شکریہ جنھوں نے یہ تمام

مجالس براہِ راست دنیا بھر میں ناظرین کی توجہ کا مرکز بنا دیں۔

کینیڈا میں مرثیے کا یہ عشرہ سال بہ سال اپنی اہمیت بڑھا رہا ہے، اساتذہ کی شرکت کے ساتھ ساتھ عمومی طور پر مرثیے کے شائقین کی تعداد میں اضافے کا باعث ہے اور فروغِ مرثیہ کی اس روایت کا ضامن ہے جسے دس سال کی طویل مدت پہلے دنیا بھر میں مرثیے کے فروغ کے لیے شروع کیا گیا تھا اور اپنے منصوبوں کے باعث یہ تحریک دنیا بھر میں فروغِ مرثیہ کے لیے ایک منارے کا درجہ رکھتی ہے۔

محرم ۱۴۴۷ھ کی تیاری میں اس سال emarsiya.com میں مرثیوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے۔ جس سے مرثیے سے شغف رکھنے والے ہزاروں خواتین و حضرات مستفید ہو رہے ہیں۔ پچھلے دس سالوں کی طرح اس سال بھی مرثیوں کی ریکارڈنگ کی گئی اور میر وحیدؔ کے مرثیے ''اے قلم دامنِ کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر'' کے عنوان سے ۱۱ مرثیوں پر مشتمل مرثیے ریکارڈ کیے گئے۔ یہ مرثیے یوٹیوب، سوشل میڈیا کے علاوہ حیدر ٹی وی، Z9 ٹی وی، امام حسینؑ ٹی وی ۴، ولایت ٹی وی، ہدایت ٹی وی اور مختلف کیبل ٹی وی پر مختلف ممالک میں نشر کیے گئے۔

دبیرؔ کے مرثیے کی جلد ششم شائع ہو چکی ہے اور جلد ہفتم پر کام جاری ہے، الغرض فروغِ مرثیہ کے جتنے منصوبوں کا ذکر کیا گیا تھا، وہ سب کے سب تکمیل کی سرحدوں کے قریب ہیں، خدا ہمت برقرار رکھے اور ان تمام منصوبوں کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اصغر مہدی اشعر

۱۲ محرم ۱۴۴۷ء

ملٹن، کینیڈا

گوشۂ فارغؔ سیتاپوری

سلام

زینت فلک کی اور اُجالے جہاں کے ہیں
شمس و قمر چراغ زمیں آسماں کے ہیں

روحِ رسولؐ پاک کو مجلس میں خوش کرو
موتی بنیں گے اشک صلے یہ فغاں کے ہیں

حربے جو ظاہری ہیں وہ پڑتے ہیں جسم پر
لگتے ہیں دل پہ وار جو تیغِ زباں کے ہیں

قائم ہیں مہر و ماہ زمانے میں آج تک
کیا کیا اثر قدومِ امامؑ زماں کے ہیں

آتا ہے کون روشنی کرنے مزار میں
داغِ غمِ حسینؑ چراغ اس مکاں کے ہیں

زندہ کبھی کیا کبھی مردہ بنا دیا
کیا کیا مزاح جسم سے روحِ رواں کے ہیں

منھ کی مُراد پاتے ہیں روضے میں شاہؑ کے
اب بھی جہاں میں فیض وہی آستاں کے ہیں

ہوتی نہ موت خلق تو رحمت عذاب تھی
کھل جاتے جوڑ جسم میں جو استخواں کے ہیں

اللہ رے ماتمِ شہِؑ مظلوم کا اثر
دُنیا اُلٹ پلٹ ہے یہ عالم فغاں کے ہیں

❁❁❁❁

سلام

میرے رب امتحاں میں تیرے جو پورا اُتر آیا
وہ تیرا ہوگیا مرضی تیری بن کر نظر آیا

خدا کے گھر کو یوں دیکھا کہ وہ دل میں اُتر آیا
بحمداللہ کعبے میں مجھے کعبہ نظر آیا

جو دیکھا روئے حیدرؑ نزع میں دل ہوگیا روشن
منوّر قبر اب ہوگی کہ گھر میں چاند اُتر آیا

کیا تھا موت سے وعدہ ملیں گے آ کے دنیا میں
جو کچھ منھ سے کہا تھا کر دکھانے کو بشر آیا

یہ تیغِ شاہؑ کی ہیبت سمائی دل میں اعدا کے
ڈرے ہیں خواب میں برسوں وہ نقشہ جب نظر آیا

علیؑ پیدا ہوائے جس دم تو ایسی روشنی پھیلی
ہوا گھر گھر یقیں سب کو کہ گھر میں چاند اُتر آیا

مژہ پر دیکھ کر آنسو ملک کہتے ہیں مجلس میں
مبارک رونے والوں شاخِ ماتم میں ثمر آیا

ہوا تھا محو نامِ حُرؑ جو فہرستِ شہیداں سے
نگاہِ لطفِ سرورؑ سے وہ اک دم میں اُبھر آیا

علیؑ کا چہرۂ روشن وہ آئینہ ہے قدرت کا
کہ جس میں خالق و مخلوق کا جلوہ نظر آیا

علی اکبرؑ کے سر کی شان یہ تھی دشتِ خولی میں
کٹا تھا چہرۂ روشن گہن میں تھا قمر آیا

سکینہؑ کہتی تھی سب سے کوئی عمّو سے کہہ آئے
بھتیجی لٹ رہی ہے شمر اظلم گھر میں در آیا

❁❁❁❁

شہؑ دیں نے حملہ جہاں کردیا قیامت کا منظر عیاں کردیا
غمِ شاہؑ دیں میں گلِ اشک سے عزا خانے کو بوستاں کردیا
دمِ نزع تھا کرب جو روح پر شکن نے جبیں کی عیاں کردیا
ہوئے بال کالے لگا کر خضاب ضعیفی نے آ کر جواں کردیا
اُٹھی آندھی جب کفر کی دہر میں پئے دفع شورِ اذاں کردیا
لکھا حال گرمیِ عاشور جب سُلگ اُٹھا کاغذ دھواں کردیا
گئی ساتھ میرے جو خاکِ شفا فرشتوں نے مرقد جناں کردیا
خیالِ زیارت ہوا جس گھڑی تصوّر نے نقلِ مکاں کردیا
سفر پر جو صغراؑ مُصر تھی بہت مصائب کا شہؑ نے بیاں کردیا
کیا قتل اکبرؑ کو اعدا نے کیا دلِ شہؑ پہ خنجر رواں کردیا
کہوں کیا وہ حالِ امامؑ زماں غم و درد نے نیم جاں کردیا
نہیں کر سکے دفن مجبور تھے عبا سے پسر کو نہاں کردیا

❁❁❁❁

سب آچکے ہیں صغار و کبار مجلس میں حسینؑ آپ کا ہے انتظار مجلس میں
پڑھیں زیارتِ آقائے دو جہاں خادم کھلی ضریحِ شبیہِ مزار مجلس میں
حسینؑ ایک نظر سے ہیں دیکھتے سب کو فقیر ہو کہ کوئی تاجدار مجلس میں
خدا بھلا کرے اُن کا جو ہیں عقیدت مند خوشی کا ذکر سمجھتے ہیں عار مجلس میں
غمِ حسینؑ کا کیا فیض ہے کہ آنکھوں سے نکل رہے ہیں دُرِ آبدار مجلس میں
زہے جلالتِ دربارِ سیّد الشہداؑ ہیں سر جھکائے صغار و کبار مجلس میں
سبیل کھیل میں رکھتے ہیں اس لیے بچے سُنا ہے واقعۂ شِیرخوار مجلس میں
وفورِ غم سے یہ عالم ہے خوں کے اشکوں سے نکل رہا ہے دلِ بیقرار مجلس میں
لباسِ سبز جو ماتم میں لوگ پہنے ہیں بنا ہے فرشِ عزا سبزہ زار مجلس میں
مژہ کی شاخ پہ ان آنسوؤں کے قطروں سے ثمر عزا کے ہوئے آشکار مجلس میں
فنا کے بعد بھی ہونگے شریکِ بزمِ عزا لحد سے آئے گا اُڑ کر غبار مجلس میں
بھری ہے بزمِ عزا پھر بھی آنے والوں کو یہ معجزہ ہے کہ ملتی ہے بار مجلس میں
کہے نہ کوئی کہ ایّامِ غم تمام ہوئے وہی ہے رنگ وہی ہے بہار مجلس میں
ہوئے تھے رن میں جو آقائے دوجہاں زخمی غلام کرتے ہیں سینے فگار مجلس میں

❁❁❁❁

سلام

وقتِ رخصت اس طرح روتے تھے سرورؑ بار بار
قبر سے باہر نکل آتی تھی مادر بار بار

مانگتے ہیں رخصتِ میداں جو اکبرؑ بار بار
سوچ کر انجام رو دیتے ہیں سرورؑ بار بار

ہند کہتی تھی اُٹھا ہے کوئی خاصِ کبریا
آسماں سے ٹوٹ کر گرتے ہیں اختر بار بار

غیظ سے یوں آستیں حُرِ جری اُلٹا کیا
میان سے کھینچے کوئی جس طرح خنجر بار بار

عالمِ فانی سرا ہے اس لیے کرنے مقام
آتے جاتے ہیں بشر دن رات اکثر بار بار

کربلا میں خیبر و خندق میں اور صفین میں
یوں چلی تیغِ دو سر برسا دیے سر بار بار

زندگی میں سیرِ جنّت ہے اگر تقدیر میں
سرزمینِ کربلا پر ہوگا بستر بار بار

ذبح کے ہنگام شہؑ کی بے کسی کو دیکھ کر
ہاتھ سے قاتل کے چھٹ جاتا تھا خنجر بار بار

کربلا میں اہلِ ماتم کی ہوائے آہ سے
اُٹھ کے گرتا تھا زمیں پر پردۂ در بار بار

خون کے اشکوں سے بعدِ قتلِ شاہؑ کربلا
پھوٹ کر رویا کیے تا شام پتّھر بار بار

سیّدِ سجادؑ کا تپ سے جو چہرہ سُرخ ہے
دیکھتے ہیں لال کو سبطِ پیمبرؐ بار بار

فاطمہ زہراؑ جسے رکھتی تھی اپنی گود میں
طشت میں اُس سر کو رکھتا ہے ستمگر بار بار

وہ ستم سجادؑ پر ہوتے تھے راہِ شام میں
کانپ جاتا تھا سناں پر فرقِ سرورؑ بار بار

دم بدم بے چین ہوتا ہے جو بچہ پیاس سے
حالتِ اصغرؑ پہ رو دیتی ہے مادر بار بار

بے کفن تھے دشتِ غُربت میں جو شاہِ کربلا
سر سے بانوؑ کے اُتر جاتی تھی چادر بار بار

❁❁❁❁

سلام

آئے دریا سے جو عباسؑ دلاور باہر
غُل ہوا بیرِ الم سے ہوئے حیدرؑ باہر

ماتمی شور بپا کیوں نہ ہو اندر باہر
قید خانے میں بہن ہے سرِ سرورؑ باہر

دیکھ کر اشکِ عزا رُخ پہ ملک کہتے ہیں
دل سے نکلا غمِ شبیرؑ کا جوہر باہر

یوں غمِ سبطِ پیمبرؐ میں یہ آنکھیں روئیں
گئے مجلس سے چھلکتے ہوئے ساغر باہر

مجلسِ شاہ میں مول اپنا بڑھانے کے لیے
صدفِ چشم سے آجاتا ہے گوہر باہر

قتل بیٹے ہوئے ازرق کے جو اُس کے آگے
غیظ میں ہوگیا جامے سے ستمگر باہر

اللہ اللہ وطن کی یہ محبت دل میں
کہ نکلتے نہیں آتش سے سمندر باہر

روضۂ شہؑ میں جو بے اذن کوئی آنے لگا
دی صدا ہاتفِ غیبی نے کہ باہر باہر

سوئے بستر پہ علیؑ نکلے نبیؐ ہجرت کو
ایک ہی نور تھا جو ہوگیا اندر باہر

دیکھ کر رہ گئیں منھ زینبؑ تفتیدہ دل چھین کر شمرِ لعیں لے گیا چادر باہر
قید خانہ میں وہ تھے بالی سکینہؑ کے بین رونے لگتے تھے جو سنتے تھے ستمگر باہر
اُف کٹا پشت سے یوں ابنِ یداللہ کا سر ڈوب کر خوں میں ہوا حلق سے خنجر باہر
کہتی تھی بنتِ علیؑ ہائے رہی میں گھر میں مر گیا خاک پہ دم توڑ کے اکبرؑ باہر

❁❁❁❁

سلام

جہاں میں آئے اطاعت گزار بن کے چلے حسینؑ مرضیِ پروردگار بن کے چلے
زہے غمِ شہِؑ دیں کا جہاں میں عزّ و شرف نکل کے اشک دُرِ شاہوار بن کے چلے
برائے رونقِ غم داغِ ماتمِ سرورؑ زمینِ دل پہ شبیہِ مزار بن کے چلے
غضب کی آگ لگی ذوالفقارِ حیدرؑ سے جلے عدو تو بدن شعلہ زار بن کے چلے
کئے ستم پہ ستم زیست میں ضعیفی نے زباں سے کچھ نہ کہا بُردبار بن کے چلے
عدو بڑھیں تو رجز خوان ہوں قبلۂ عالم زبان معرکے میں ذوالفقار بن کے چلے
وہ ٹیڑھی بات میں ہی کاٹ اے معاذ اللہ لگے جو دل پہ تو خنجر کی دھار بن کے چلے
یہ فیض سبطِ نبیؐ ہے کہ آکے روضے میں سموم بھی ہو تو بادِ بہار بن کے چلے
کریں وہ شکر امیری میں کٹ گئی جن کی تمام عمر کسی پر نہ بار بن کے چلے
یہ امتحاں ہے کہ آکر جہانِ فانی میں کبھی فقیر کبھی تاجدار بن کے چلے
محب نجف میں نہ جائیں یہ ہو نہیں سکتا اجل جو روک لے مٹّی غبار بن کے چلے
خدا بھلا کرے اعمال کا پسِ مُردن لحد میں ساتھ دیا غمگسار بن کے چلے
کلامِ اہلِ حرم سے خوشی ہوئی محروم عزائے شہؑ میں سخن سوگوار بن کے چلے
ہوئے جو دفن شہیدانِ روزِ عاشورہ جواب خلدِ بریں کا مزار بن کے چلے
نبیؐ کی قبر پر دینے حسینؑ کا پُرسا مدینے والے بہم سوگوار بن کے چلے

❁❁❁❁

سلام

اشک آسا ابھی اِس جا ابھی اُس جا ہوں میں رُخ جدھر پھر گیا بہتا ہوا دریا ہوں میں
آنکھ کہتی ہے کہ آئینۂ دنیا ہوں میں نور کہتا ہے نکل کر کہ اُجالا ہوں میں
مجلسِ شاہ میں رونے کا یہ ادنیٰ ہے صلا دامنوں کو درِ مقصود سے بھرتا ہوں میں

قول تھا حرؑ کا یہ مرنا مرے کام آئے گا
مر کے جی جاؤں گا اس واسطے مرتا ہوں میں

نزع میں ہچکیاں رہ رہ کے نہ کیونکر آئیں
پیر ہوں ٹھوکریں کھاتا ہوا جاتا ہوں میں

عقل عاجز ہے سمجھنے میں صفاتِ حیدرؑ
منھ سے اللہ نکل جائے نہ ڈرتا ہوں میں

شدّتِ نزع ہے رکتی ہے سانس آتی ہے
دور جانا ہے ٹھہرتا ہوا جاتا ہوں میں

ماتمِ شاہؑ سے سینے پہ ہے پنجے کا نشاں
علمِ غم کو اُٹھائے ہوئے روتا ہوں میں

مرہمِ زخم ہیں آنسو یہ سنا ہے اکثر
اس لیے یا شہؑ دیں آپ کو روتا ہوں میں

کہا سجادؑ نے قیدی نہ بناؤ مجھ کو
قتل بابا ہوئے رانڈوں کا سہارا ہوں میں

❁❁❁❁

کیا جانے حال کیا ہو گلوئے صغیر کا
پک جاتا ہے وہ زخم جو ہوتا ہے تیر کا

معراج میں رسولؐ نے دیکھا تھا کس کا ہاتھ
اللہ رے عروج مرے دستگیر کا

فوجوں میں تھا خروش کہ لڑ لو حسینؑ سے
کیا برملا یہ غل تھا سپاہِ کثیر کا

اٹھّا جو دشتِ کیں سے تو ٹکّر فلک سے لی
چکرا دیا یہ حال کیا چرخِ پیر کا

پلٹا وہاں سے آ کے ملا پھر جو شور میں
دونا بلند کر دیا غل دار و گیر کا

مامن میرے خیال کا دل اس لیے ہوا
ہمنام ہے یہ خانۂ ربِّ قدیر کا

کرب و بلا کا حال کہوں کس زبان سے
سر کٹ گیا تھا تن سے صغیر و کبیر کا

لاشوں کو دیکھ دیکھ کے کہتے تھے راہ رو
یاں قافلہ لٹا ہے کہیں کے امیر کا

برسا فلک سے اس لیے عاشور کو لہو
غم سے کلیجہ پھٹ گیا تھا چرخِ پیر کا

❁❁❁❁

ہاں ہم نبیؐ کے قول کو ایماں سمجھتے ہیں
قرآں کو اور آلؑ کو یکساں سمجھتے ہیں

فرما دیا خدا نے زبانِ رسولؐ سے
ہے میرا حکم لوگ جسے جاں سمجھتے ہیں

اللہ یہ وطن کی محبّت ہوئی عطا
عزّت میں قصر بھی ہو تو زنداں سمجھتے ہیں

مشکل کو موت کی نہیں لاتے خیال میں
مرنے کو راہِ حق میں جو آساں سمجھتے ہیں

اللہ رے نورِ چہرۂ ہمشکلِ مصطفےؐ
جب دیکھتے ہیں مہرِ درخشاں سمجھتے ہیں

کیا جانیں غیر مرتبۂ شاہؑ اوصیا
حیدرؑ کی شان صاحبِ عرفاں سمجھتے ہیں

مردم عزا کی شان بڑھانے کے واسطے
اشکوں کو پھول رخ کو گلستاں سمجھتے ہیں

ٹوٹا عصا زمیں پہ گرا آپ کا جسد
کب موت آئی اس کو سلیمانؑ سمجھتے ہیں

جس نیزے پہ رہا سرِ فرزندِ مرتضیٰؑ
ہم اُس سناں کو منزلِ قرآں سمجھتے ہیں

دم توڑتا ہے سامنے وہ نوجواں پسر
قوت بدن کی تن کی جسے جاں سمجھتے ہیں

منھ دیکھتے ہیں یاس کا عالم ہے شاہؑ پر اکبرؑ کو کوئی دم کا جو مہماں سمجھتے ہیں

❁❁❁❁

قبرِ عباسؑ جہاں ہے وہاں دریا نہ رہا خاک میں مل گیا پانی کہ وہ پیاسا نہ رہا
دھو دیئے حرؑ کے گنہ حُبِّ شہؑ والا نے صاف ایسا ہوا باقی کوئی دھبّا نہ رہا
تو سلامت رہے پیری کہ عنایت سے تری اب جوانی کا مرے سر میں وہ سودا نہ رہا
چمکا یوں مرقدِ تاریک میں سجدے کا نشاں روشنی دن کی ہوئی شب کا اندھیرا نہ رہا
آکے پیری نے کہیں کا بھی نہ رکھّا افسوس جھک گئے پاؤں پہ سر رتبۂ بالا نہ رہا
یہ بھی اک لطف ہے اعمال نے چھوڑا جو نہ ساتھ بعد مرنے کے بشر قبر میں تنہا نہ رہا
شاہؑ فرماتے تھے زینبؑ سے بہن لٹ گئے ہم قتل اکبرؑ ہوئے پیری کا سہارا نہ رہا
کہا صغراؑ نے کہ کیونکر میں جیوں گی لوگو رہ گئی رونے کو بیمار مسیحا نہ رہا
دیکھا بانوؑ نے جو اصغرؑ کے گلے میں ناوک ہائے کہہ کر وہ گری دید کا یارا نہ رہا

❁❁❁❁

واہ کیا نام ہے گرتے ہوئے قوّت آئی یا علیؑ منھ سے کہا جسم میں طاقت آئی
ہاتھ کم ظرف کے دنیا کی جو دولت آئی خود کو مافوق سمجھنے لگا نخوت آئی
پاکے رخصت جو رکھا کاندھے پہ غازیؑ نے علم شان بالا ہوئی چہرے پہ بشاشت آئی
ماتمِ شاہؑ شہیداں سے تو اس دامن میں خواب میں بھی جو نہ دیکھی تھی وہ دولت آئی
لائے جب حشر کے بازار میں آئے گا ہگ موتیوں سے بھی فزوں اشکوں کی قیمت آئی
ٹوکا شبیرؑ کو بڑھ بڑھ کے شریروں نے جب ہاتھ قبضے پہ رکھا جوش میں جرأت آئی
نعرہ و ضرب سے میداں میں ہوا حشر بپا لو کڑک وہ ہوئی بجلی گری آفت آئی
باقی رہتا نہ کوئی رحم سے حضرت کے بچے ہائے صابر تجھے کب اُلفتِ اُمّت آئی
یا حسینؑ ابنِ علیؑ آپ سا صابر نہ ہوا لاشِ فرزندِ جواں لائے نہ رقّت آئی

❁❁❁❁

ہلالِ ماتمِ شاہؑ شہیداں دیکھنے والے عزا ہو وہ عزا پھاڑیں گریباں دیکھنے والے
غمِ شبیرؑ کے داغوں کو روشن کرتے جاتے ہیں شبِ عاشور مجلس میں چراغاں دیکھنے والے
یہ ہے قرآنِ ناطق اور وہ قرآنِ صامت ہے علیؑ کا رخ بھی دیکھیں ہیں جو قرآں دیکھنے والے
رجز تھا حضرتِ عباسؑ کا میدانیو بھاگو ہمیں کہتے ہیں سب شیر نیستاں دیکھنے والے
اُٹھایا بار وہ آفت کا جو اُٹھّا نہ مرسلؐ سے کہا منھ سے نہ کچھ منشائے یزداں دیکھنے والے
رخوں پر اشک ہیں یا پھول گلشن میں نمایاں ہیں کہاں ہیں آئیں مجلس میں گلستاں دیکھنے والے

جمالِ روئے یوسفؑ اس قدر دلکش تھا عالم میں
کہ ڈوبے چاہ میں چاہِ زخنداں دیکھنے والے

ملک کہتے ہیں محشر میں گہر یہ کس نے ٹانکے ہیں
بھرے ہیں جن میں آنسو ہیں وہ داماں دیکھنے والے

الٰہی خلق جو تو نے کیا بہتر سے بہتر ہے
مگر مخلوق میں تیری ہیں انساں دیکھنے والے

اگر رونا نہیں آتا تو روتا دیکھ کر سب کو
جھکا لیتے ہیں سر مجلس میں باراں دیکھنے والے

اُٹھا کر لاش بیٹے کی کیا شکرِ خدا تُو نے
تیری ہمّت کے صدقے راہِ عرفاں دیکھنے والے

کہا لاشے پہ ماں نے لو اُٹھو دولھا بنو اکبرؑ
تڑپتے ہیں بہت شادی کا ساماں دیکھنے والے

گھرے ہیں فوج میں سرور نہ بیٹا ہے نہ بھائی ہے
پڑے ہیں دھوپ میں حالِ پریشاں دیکھنے والے

❁❁❁❁

آنسوؤں سے جو نہ روئے تو کرے کیا کوئی
اُٹھ گیا عالمِ ایجاد سے پیاسا کوئی

چشمِ گریاں کا بیاں وصف کرے کیا کوئی
کبھی موتی کیے پیدا کبھی دریا کوئی

دل شہیدوں کا بہلنے کے لیے غربت میں
ہوگیا باغِ جناں خلق میں صحرا کوئی

خاکِ مقتل پہ ہے اس شان سے لاشِ اکبرؑ
جس طرح خواب میں ہو نیند کا ماتا کوئی

چن لیا سبطِؑ پیمبرؐ نے تجھے اپنے لیے
کربلا تجھ سا نہیں خلق میں صحرا کوئی

لکھّا بیمار نے بابا میں یہاں مرتی ہوں
اب تو دکھلایئے اعجازِ مسیحا کوئی

آپ کی یاد میں رہتا ہے میرا حال تباہ
سجدہ کرلوں جو ملے نقشِ کفِ پا کوئی

قبرِ عباسؑ پہ لوگوں کو جو روتے دیکھا
یاد آیا ہمیں بہتا ہوا دریا کوئی

عصر کے وقت یہ تھی صورتِ شمر و شبیرؑ
غم کی تصویر کوئی خون کا پیاسا کوئی

گوشۂ سردار نقوی

نوحہ

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

ہفتم سے کیا بند جو بے دینوں نے پانی
بے حال ہوا پیاس سے شبیرؑ کا جانی

میدان میں لائے جو انھیں سبطِ پیمبرؐ
ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو علی اصغرؑ

دیکھی نہ گئی بچے کی یہ تشنہ دہانی
منھ پھیر کے رونے لگے سب ظلم کے بانی

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

بے دینوں نے بچّے کی طرف تیر چلایا
وہ ظلم کیا قبرِ پیمبرؐ کو ہلایا

جس وقت لگا تیر تڑپنے لگے اصغرؑ
فرماتے تھے رو رو کے یہ فرزندِ پیمبرؐ

افسوس کہ اعدا نے مری بات نہ مانی
بچّے نے دم مرگ بھی پایا نہیں پانی

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

جس وقت چھدا تیر سے حلقِ علی اصغرؑ
بے چین ہوئے درد سے فرزندِ پیغمبرؐ

اصغرؑ سے کہا رو کے سدھارے سوئے کوثر
اب پانی پلائیں گے تمھیں حیدرِؑ صفدر

گردن پہ ترے زخم جو ہے اے مرے جانی
دکھلائیو دادا کو ستم کی یہ نشانی

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

کہتا تھا بے شیر سے وہ دلبرِ زہراؑ
اب گود میں دادی کی تمھیں چین ملے گا

جھولے میں جھلائیں گی تمھیں بنتِ پیمبرؐ
وہ پیار کریں گی تمھیں محسنؑ کے برابر

دنیا نے کبھی آلؑ کی توقیر نہ جانی
پھر آج نئی ہو گئی تاریخ پرانی

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

شبیرؑ نے پھر تیغ سے اک قبر بنائی
مٹی میں وہ اک چاند سی تصویر چھپائی

افسوس ستمگاروں نے اس قبر کو کھودا
اس ننّھے مجاہد کا بھی سر تن سے اُتارا

کس درجہ ستمگار تھے وہ ظلم کے بانی
پتھر بھی اگر دل ہو تو ہوجائے وہ پانی

سن لیجیے شبیرؑ کے دلبر کی کہانی
اک درد کا قصّہ ہے یہ اصغرؑ کی کہانی

❁❁❁❁

نوحہ

میّت پہ سکینہؑ کی یہ ماں کہتی تھی رو کر
ماں کون پکارے مجھے اب تم ہو نہ اصغر

صدقے ہو یہ مادر
صدقے ہو یہ مادر

اصغرؑ کی شہادت کا ابھی زخم ہرا تھا
یہ داغ بڑا تھا
اک کوہِ ستم اور یہ ڈھانا ہے مقدّر
صدقے ہو یہ مادر

اس چھوٹے سے سن میں یہ مصیبت یہ بلائیں
اعدا کی جفائیں
اس طرح کے صدمے نہ پڑے ہوں گے کسی پر
صدقے ہو یہ مادر

تھی بعدِ نبیؐ ، بنتِ پیمبرؐ کی جو قسمت
دادی کی مصیبت
تقدیر میں پوتی کی وہ لکھّی تھی مکرّر
صدقے ہو یہ مادر

کس طرح رسن حلقۂ گردن میں نہ بندھتی
پوتی تھیں علیؑ کی
چومیں گے نشاں رسّی کے اب حیدرؑ صفدر
صدقے ہو یہ مادر

فرزندِ پیمبرؐ نے سدا ناز اُٹھایا
سینے پہ سلایا
اب تیرے مقدّر میں ہے یہ خاک کا بستر
صدقے ہو یہ مادر

گالوں پہ ابھی چوٹ کے آثار عیاں ہیں
زخموں کے نشاں ہیں
ڈھائے گا ستم تم پہ نہ اب شمرِ ستمگر
صدقے ہو یہ مادر

کانوں کا ترے زخم ابھی بھر نہ سکا تھا
خوں رستا رہا تھا
کس ظلم سے چھینے گئے بچی ترے گوہر
صدقے ہو یہ مادر

ہونٹوں پہ ابھی ہے اثرِ تشنہ دہانی
پاؤں گی جو پانی
چھڑکوں گی لحد پر میں تری فاتحہ پڑھ کر
صدقے ہو یہ مادر

مانگا تھا جو بی بی نے چچا جان سے پانی
وہ حیدرِؑ ثانی
اب پیاس بجھائے گا تمھاری لبِ کوثر
صدقے ہو یہ مادر

زنداں کے اندھیرے میں الجھتا تھا ترا دم
ماں کو ہے یہی غم
تربت پہ تری شمع فروزاں کروں کیونکر
صدقے ہو یہ مادر

بابا سے شکایت نہ مری کیجیو واری
اے باپ کی پیاری
ماں کیسے کفن دے تجھے چادر نہیں سر پر
صدقے ہو یہ مادر

❁❁❁❁

نوحہ

غمِ حسینؑ ، عبادت بھی ہے ثقافت بھی
پیامِ فکر بھی خیرِ عمل کی دعوت بھی
غمِ حسینؑ علامت بھی ہے روایت بھی
جنابِ حرؑ کی طرح فیصلے کی ہمّت بھی
یہ اعتماد کہ حق کے اصول سمجھے ہیں
امامؑ وقت ہیں سبطِؑ رسولؐ سچّے ہیں
رسولؐ فوج کی کثرت سے ڈر نہیں سکتا
وہ اپنی سطح سے نیچے اتر نہیں سکتا
اصول چھوڑ کے سمجھوتہ کر نہیں سکتا
اسے شہید بھی کر دو تو مر نہیں سکتا

قیامِ عدل کا محکم اصول زندہ ہے رسولؐ زندہ ہے سبطِؑ رسولؐ زندہ ہے
رسولؐ کا وہ نواسا علیؑ کا نورِ نظر حسینؑ ابنِ علیؑ ، فاطمہؑ کا لختِ جگر
حسینؑ انبیا آثار و اوصیا مظہر علیؑ مآب ادا ، مصطفیٰؐ سرشت نظر
بشر کو ہمّتِ باطل شکار دی جس نے حسینؑ زلفِ مشیّت سنوار دی جس نے

❁❁❁❁

نوحہ

بین تھا سکینہؑ کا شام ہونے والی ہے تم کب آؤ گے بابا شام ہونے والی ہے
خشک ہے دھن میرا تین دن سے پیاسی ہوں کون پانی لائے گا بابا شام ہونے والی ہے
بھائی اور چچا سب ہی ساتھ میں تمھارے ہیں کوئی بھی نہیں آتا ، شام ہونے والی ہے
آؤ مصطفیٰؐ آؤ ، مرتضیٰؑ آؤ آؤ فاطمہ زہراؑ شام ہونے والی ہے
عصر کے اُجالے میں گھر لٹا کے بیٹھی ہوں پھر نہ لُوٹ لیں اعدا شام ہونے والی ہے
کیوں خفا بہن سے ہو آ بھی جاؤ اے اصغرؑ ایسا روٹھنا بھی کیا ، شام ہونے والی ہے
اب جو تم نہ آؤ گے پھر نہ مجھ کو پاؤ گے گھٹ رہا ہے دم میرا شام ہونے والی ہے
صبح کے چراغوں کی طرح ہیں سبھی خاموش چھا رہا ہے اندھیارا شام ہونے والی ہے
کیا کروں کہاں جاؤں یا خدا میں مرجاؤں کوئی بھی نہیں آتا ، شام ہونے والی ہے
تم کب آؤ گے بابا ، شام ہونے والی ہے بین تھا سکینہؑ کا شام ہونے والی ہے

❁❁❁❁

نوحہ

کربلا والے ہمیں دوسِ رضا دیتے ہیں تیر پر تیر بھی کھاتے ہیں دعا دیتے ہیں
ہائے ناناؐ تیری اُمّت میں ذرا رحم نہیں ہے گھر سے مہمان بلا کر یہ دغا دیتے ہیں
ہائے اکبرؑ کی جوانی کو ذرا دیکھو تو تیر پہ تیر چلے اور دعا دیتے ہیں
اب نہ مانگیں گے کبھی پانی چچا لوٹ آؤ خشک ہونٹوں سے یہ معصوم صدا دیتے ہیں
قید وہ قید تھی سونے بھی نہ پائے عابدؑ جب وہ سوتے تھے زنجیر ہلا دیتے ہیں

❁❁❁❁

مرثیہ

پروفیسر سردار نقوی

پہلی خوانندگی، ۲۰ر جون ۱۹۹۶ء بمقام امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ، کراچی

حکایتِ غمِ شبیرؑ جاودانی ہے
سنا رہا ہے جسے وقت وہ کہانی ہے
صدائے غنچہ گلستاں کی گل فشانی ہے (۱) حسینیتؑ علی اصغرؑ کی بے زبانی ہے
حدِ جہادِ حسینیؑ دکھا گئے اصغرؑ
حسینیتؑ کا تعارف کرا گئے اصغرؑ

حسینیتؑ کہ ہے ہر ظلم ہر فساد سے دور
قیامِ حرّیت و امن و عدل کا منشور
حصارِ مرگِ مسلسل میں زندگی کا شعور (۲) یہ قولِ سبطِؑ پیمبرؐ ہے آج بھی مشہور
حصارِ وقت خسارے کا اک سمندر ہے
جوارِ ظلم میں جینے سے موت بہتر ہے

وہ جس نے فلسفۂ موت و زیست سمجھایا
اسے زمانہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا
حسینیتؑ کا علم جس افق پہ لہرایا (۳) ابھی اس حد پہ شعورِ بشر نہیں آیا
مسافتِ رہِ عرفاں نگر میں ہے دنیا
ابھی حسینؑ کی جانب سفر میں ہے دنیا

حسینؑ عظمتِ آزادیٔ بشر کا نقیب
جگا رہا ہے جو مردان حر نسب کے نصیب
حسینؑ عدل کی تنظیم ، امن کی تہذیب (۴) کرے خطاب جو نوکِ سناں سے ایسا خطیب
سناں کی نوک سے قرآں سنا رہے ہیں حسینؑ
قدِ معانیٔ قرآں بڑھا رہے ہیں حسینؑ

حسینؑ منزلِ ایثار ، عشقِ حق کی سبیل
حسینؑ علم کی میزان ، آگہی کی دلیل
حسینؑ جس کا قصیدہ زبور اور و انجیل (۵) وہ جس کو جھولا جھلانا عبادتِ جبریلؑ
چراغِ معرفتِ عشق کا اُجالا ہیں
حسینؑ مکتبِ توحید کا حوالہ ہیں

حسینؑ بنتِ پیمبرؐ کی گود کا پالا
کہ جس کو نور کے سانچے میں نور نے ڈھالا
نبیؐ کی پشت پہ سجدے میں بیٹھنے والا (۶) شہیدِ معنیِ سبحانَ ربّیَ الاعلیٰ
بشر کو جس نے یہ توفیقِ حق نگاہی دی
کہ زیرِ تیغ بھی توحید کی گواہی دی

ہے وہ حقیقتِ محکم ، حقیقتِ توحید کہ جس کا رد نہیں ممکن بصورتِ تردید
کمالِ عقل ہے یوں اس اصول کی تائید (۷) پئے بشر یہ نجات و فلاح کی ہے کلید
یہی کلید جو عقلِ بشر نے گم کردی
بجائے نور فضاؤں میں آگ سی بھر دی

قبائے وحدتِ انساں جو پارہ پارہ ہے زمیں کا فرش جو مقتل کا استعارہ ہے
لہو میں غرق جو ہر امن کا کنارہ ہے (۸) بشر نے اپنی تباہی کو خود پکارا ہے
خرد نے اپنی حدوں سے جو سرکشی کی ہے
چراغِ عقل نے گم اپنی روشنی کی ہے

حکیمِ غرب کہ ہے اسم کانٹ سے مشہور ہے اس کی فکر کا تحفہ یہ عقل کا منشور
وہ عقل خود جو زمان و مکاں میں ہے محصور (۹) خدا کے باب میں بحث و جدل سے ہے معذور
جو ماورائے زمان و مکاں حقیقت ہے
خرد سے اس کو پرکھنا خلافِ حکمت ہے

دلیلِ کانٹ تھی اپنی جگہ دُرست مگر یہی تفکّرِ مغرب نے کھائی ہے ٹھوکر
خدا کے باب میں ٹھہری حکم جو عقلِ بشر (۱۰) سبیلِ عقل بنی ہے گماں کی راہ گزر
خرد اسیر جو زندانِ ارتیاب میں ہے
ہنوز خواب سے جاگی نہیں ہے خواب میں ہے

مزاجِ عقل اگر ہے خدا سے استغنیٰ تو کیا نتیجہ ہو طغیان و سرکشی کے سوا
پیام عقل کو دیتی ہے سورۂ اقراء (۱۱) تمام علم ہے خالق سے خلق کا رشتہ
وہ جس کی عقل پہ اس علم کے حدود کھلے
تو اس کے باب میں دروازۂ درود کھلے

درود اس پہ جو تخلیق کا حوالہ ہے جہانِ عقل میں جو وحی کا اُجالا ہے
وہ جس کا علم حدودِ خرد سے بالا ہے (۱۲) وہ جس کا رب ہی خود اس کا رفیقِ اعلیٰ ہے
لقب ہے اس کا ردوف و رحیم صلِّ علیٰ
وہی ہے صاحبِ خلقِ عظیم صلِّ علیٰ

رسولؐ قلب پہ جسکے کتاب اُتری ہے اسی کی گود میں انسانیت سنورتی ہے
مثالیے کہ جنھیں اس نے تربیت دی ہے (۱۳) ہے اک برادرِ عم زاد ، ایک بیٹی ہے
نہیں فتیٰ جو کوئی دوسرا علیؑ کی طرح
نساء کہاں ہے کوئی دخترِ نبیؐ کی طرح

علیؑ کا علم خدا کی کتاب سے پوچھو علیؑ کی شان رسالتمآبؐ سے پوچھو
(۱۴)
سکونِ دل شبِ ہجرت کے خواب سے پوچھو علیؑ کا دبدبہ خیبر کے باب سے پوچھو
خدا کے دین کی قسمت جگا کے سوئے ہیں
یہ نیند کو بھی عبادت بنا کے سوئے ہیں

بنا نشانۂ تنقیص جب خدا کا ولی دیارِ شام میں ایسی ہوائے ظلم چلی
(۱۵)
ہزار کوئی گھٹائے مگر علیؑ ہے علیؑ لکھا ہے صفحۂ تاریخ پر بخطِّ جلی
بلند قامتیِ علم کا حوالہ ہیں
علیؑ بلندیٔ انساں کا قدِّ بالا ہیں

یہ ذات ہے حق و باطل کے درمیاں فرقان علیؑ ہے علم کا قرآن عدل کی میزان
(۱۶)
علیؑ ہے دینِ رسالتمآبؐ کی پہچان علیؑ ہے قالبِ حق میں ڈھلا ہو انسان
نبیؐ نے جس کو مدد کے لیے پکارا ہے
علیؑ کا نام وہ قوّت کا استعارا ہے

حسینؑ عدل میں ڈھالی ہوئی شجاعت ہیں حسینؑ قلبِ علیؑ کا رخِ عزیمت ہیں
(۱۷)
حسینؑ دین کی میزانِ استقامت ہیں حسینؑ بدر کی کفّار کش وراثت ہیں
جو بجھ رہا تھا دیا اس کو روشنی دی ہے
خدا کے دین کو جاں دے کے زندگی دی ہے

اسیر جور خزاں تھی جو باغِ حق کی بہار خدا کے دین پہ جب ظلم و شر کی تھی یلغار
(۱۸)
اُٹھے حسینؑ لیے دل میں جزبۂ ایثار بدل رہی تھی حکومت جو دین کے اقدار
بنائے دین کو اس طرح استوار کیا
خدا کی راہ میں جو کچھ تھا سب نثار کیا

گلو و تیغ کے مابین معرکہ جو ہوا قیامِ سبطِؑ نبیؐ کے محرّکات ہیں کیا
(۱۹)
لبِ حسینؑ سے ہر بات کا جواب ملا یہ جنگ تیغ نے جیتی ہے یا گلا جیتا
جسے طلب ہو کہ پیغامِ کربلا پڑھ لے
وہ خطبہ ہائے جگر بندِ مصطفیؐ پڑھ لے

محمدِّ حنفیہ کے نام خط لکّھا نبیؐ کے شہر سے جس دم سفر کا قصد کیا
(۲۰)
یہ لفظ لفظ سے اس خط کے آ رہی ہے صدا یہی وہ خط ہے جو منشورِ کربلا ٹھہرا
یہی تھا مقصدِ سبطِ نبیؐ یقین رہے
نبیؐ کا دین بہر رُخ نبی کا دین رہے

خدا کے شہر سے جس دم چلا نبیؐ کا پسر (۲۱) کہے وہ لفظ جنھیں کہیے معرفت کے گہر
کیا خطاب کہ مقتل ہے میری حدِّ سفر مری نگاہ میں ہے موت زیست کا زیور
لقائے رب کا جو خواہاں ہو میرے ساتھ رہے
سلام ان پہ جو سبطِؑ نبیؐ کے ساتھ رہے

چلے حسینؑ جو مکّے سے ، موسمِ حج تھا (۲۲) مگر حسینؑ نے جب ترکِ حج کا عزم کیا
زبانِ حال سے کعبہ یہ دے رہا تھا صدا امامؑ ترک کرے حج تو حج نہیں ہوتا
سفر معیّتِ شبیرؑ میں شروع کرو
خدا کے گھر سے خدا کی طرف رجوع کرو

ہوا جو لشکرِ حر راستے میں سدِّ راہ (۲۳) کیا خطاب کہ اے کوفیو رہو آگاہ
یہ قول ، قولِ رسالتمآبؐ ہے واللہ کہ جب بھی تم پہ مسلّط ہو حاکمِ گمراہ
جو مصطفےٰؐ کی شریعت بدلنے والا ہو
حقوقِ خلقِ خدا کو کچلنے والا ہو

حلالِ دینِ خدا کو حرام کرتا ہو (۲۴) جنھیں حرام کیا ہے وہ کام کرتا ہو
جو اپنے کفر کا اعلان عام کرتا ہو بہ جبر غصب حقوقِ عوام کرتا ہو
عدوئے خلقِ خدا ہے ، خدا کا دشمن ہے
اگرچہ کلمہ پڑھے ، مصطفےٰؐ کا دشمن ہے

جو ایسے حاکمِ جابر کی سلطنت میں رہے (۲۵) اور اس کے ظلم پہ کچھ احتجاج بھی نہ کرے
وہ شخص قہرِ الٰہی سے بچ سکے تو بچے سنا نہیں ہے تو یہ قولِ مصطفےٰؐ سن لے
نگاہِ حق میں وہ حاکم کی طرح مجرم ہے
رہے جو ظلم پہ خاموش وہ بھی ظالم ہے

سنا سبھی نے اگرچہ حسینؑ کا خطبہ (۲۶) اثر ہر ایک پہ لیکن بقدرِ ظرف ہوا
گواہ اسپہ ہے تاریخِ صبحِ عاشورا کئی ہزار کے لشکر میں ایک حرؑ نکلا
تضاد باہمی کیفیت و کمیّت کا
یہ آج بھی المیہ ہے آدمیّت کا

ہے فکر خیز بہت قصۂ شبِ عاشور (۲۷) وہ رات جس میں ہوئے سبطِؑ مصطفےٰؐ محصور
پئے قتال کمر بستہ لشکرِ مقہور سوالِ مہلتِ شب اور وہ امامؑ غیور
اس اک سوال میں پنہاں تھے راز کیا کیا کچھ
لکھے ہیں عشق نے حرفِ گداز کیا کیا کچھ

وہ ذوق و شوقِ عبادت وہ ذکر و استغفار (۲۸) وہ حق کا منزلِ حقّ الیقین پر اقرار
خدا ہے ایک اطاعت کا کل کا کل حقدار یہ اس کا حق ہے کہ ہو اس کے غیر سے انکار
جہاں بتوں سے تبرّا عیارِ دین نہیں
وہاں خدا کا خدا کی طرح یقین نہیں

ہوئے ہیں خیمۂ اقدس میں مجتمع احباب (۲۹) شروع سبطِ پیمبرؐ نے یوں کیا ہے خطاب
وفا میں اپنی نظر آپ ہیں مرے احباب مگر خلاف ہوا ہے مرے جہان خراب
چنا ہے میں نے شہادت کا راستہ سن لو
تمہیں بھی حق ہے کہ تم اپنی راہ خود چن لو

ہدف یزید کا کوئی نہیں سوائے حسینؑ (۳۰) یہ سارے تیر و تبر ہیں فقط برائے حسینؑ
کرو گے پیش جو تم اپنے سر بجائے حسینؑ رہے گا پھر بھی مصر ظلم سر جھکائے حسینؑ
مگر یہ سر کسی عنوان جھک نہیں سکتا
نتیجہ یہ کہ مرا قتل رک نہیں سکتا

کیا ہے میرا ، فقط میرا ظلم نے گھیراؤ (۳۱) تمھیں پسند اگر ہو تو اپنی جان بچاؤ
اگرچہ جبر نہیں ہے تمھارا مجھ سے لگاؤ یہ مرا حکم نہیں ، مشورہ ہے لوگو جاؤ
بجھی جو شمع جلا ہے چراغِ آزادی
حسینیتؑ کا دیا ہے چراغِ آزادی

ملوکیت کا ادھر جبر ہے ادھر یہ تضاد (۳۲) کہ ہیں جو حلقۂ بیعت میں وہ بھی ہیں آزاد
بلائی قدر نے یوں اقتدار کی بنیاد بنے بدی کی علامت یزید و ابنِ زیاد
یزیدیت نے یہ جنگِ اصول ہاری ہے
اصول آج بھی حقِّ خود اختیاری ہے

تمام ہوگئی آخر وہ رات ، دن نکلا (۳۳) اذاں کے دوش پہ ابھرا رسولؐ کا لہجہ
وہ ہم شبیہ پیمبرؐ کی پر وقار صدا اذان کیا تھی وہ تاریخ کا طمانچہ تھا
مگر قلوب جو مردہ تھے پھر بھی ہل نہ سکے
قبائے جہل میں جو چاک تھے وہ سل نہ سکے

ہوئے نماز سے فارغ جو سبطِ پیمبرؐ (۳۴) پئے خطاب بڑھے آپ جانبِ لشکر
چلے جلو میں رفیق و عزیز سینہ سپر نظر امامؑ کی جانب تو ہاتھ قبضوں پر
محاذِ جنگ پہ آئے تھے اس وقار کے ساتھ
امامؑ لائے تھے قرآں بھی ذوالفقار کے ساتھ

حسینؑ کا یہی پیغامؑ تھا ، سنو لوگوں میں کون ہوں مرے حسنِ نسب پہ غور کرو
جو عقل ہے تو تباہی کے راستے سے بچو (۳۵) کرو نہ جنگ میں تعجیل اس قدر ٹھہرو
جو مجھ پہ حق ہے ہدایت کا وہ ادا ہو جائے
پھر اس کے بعد جو ہونا ہے فیصلہ ہو جائے

وہ مرے جد ہیں محمدؐ ، وہ سیّدِ لولاک کہ جن کے واسطے پیدا کئے گئے افلاک
کرے گا ان کی طہارت کا کیا کوئی ادراک (۳۶) قدم جو چھو لیے ان کے زمین ہو گئی پاک
زمیں تو پاک ہو اور وارثِ زمیں ناپاک
یہ ظلم ہے کہ مکاں پاک ہو مکیں ناپاک

زمیں ہے پاک تو پھر وارثِ زمیں ہے وہی وجود جس کا ہو جملہ نجاستوں سے بری
صنم پرستی وہ سب سے بڑی نجاست تھی (۳۷) نہیں تھا جس سے مبّرا کوئی سوائے علیؑ
سمجھ سکیں گے نہ کم عقل اس خطاب کی شان
زمین سے کوئی پوچھے ابوترابؑ کی شان

جنابِ فاطمہ زہراؑ ، نبیؐ کی نورِ نظر معظّمہ ہیں وہی میری مادرِ اطہر
انہی کے لعل ہیں ابناءنا وقارِ پسر (۳۸) کہ ایک جن میں سے میں ہوں اور ایک تھے شبرؑ
مرے سوا بھی نبیؐ کا کوئی نواسا ہے؟
مگر گواہ ہے کوثر ، حسینؑ پیاسا ہے!

لڑوں میں اُمّتِ جد سے مجھے نہیں منظور فساد و شر کی روش ہے مرے مزاج سے دور
تم اپنی فوج کی کثرت پہ ہو اگر مغرور (۳۹) علیؑ کا لعل ہوں ایسا نہ جانیو معذور
پئے جہاد اگر واقعی ارادہ ہو
پھر آج بدر کی تاریخ کا اعادہ ہو

ادھر خطابِ ہدایت نصاب جاری تھا ادھر نہ جاگنے والوں کا خواب جاری تھا
سماعتوں کا ادھر احتساب جاری تھا (۴۰) ضمیرِ حرؑ میں ادھر انقلاب جاری تھا
سفر کرے گا جو صدیوں وہ انقلاب ہے حرؑ
سوالِ بیعتِ فاسق ترا جواب ہے حرؑ

یہ کون حرؑ ہے وہی تھا جو فوج کا سالار یہ کیا ہوا کہ ہوا اب یزید سے بیزار
ادھر ہیں فتح کے بھرپور مادیِ آثار (۴۱) ادھر حسینؑ ہیں اب صرف موت پر تیّار
یہ حرؑ جو موت میں حصّہ بٹانے آیا ہے
خود اپنے اپنے آپ کو زندہ بنانے آیا ہے

حسینؑ دیکھ رہے تھے رفیق قتل ہوئے
وہی جو راحتِ جاں تھے گزر گئے جاں سے
(۴۲)
نظر کا نور جنھیں کہیے وہ چراغ بجھے
یہ بے کسی تھی کہ سبطِ نبیؐ اکیلے تھے
نہ اب وہ فوج نہ سر پر الم کا سایا تھا
دلِ حسینؑ پہ احساسِ درد چھایا تھا

بچھڑ گیا تھا جو حضرتؑ کا قوّتِ بازو
کمر کا درد نہ ہونا تھا کم کسی پہلو
(۴۳)
جوان بیٹے کے غم میں اگرچہ دل تھا لہو
وہ تشنگی تھی بمشکل نکل سکے آنسو
ہوئی تھی دیر جو حضرتؑ کو مسکرائے ہوئے
کھڑی تھی گردشِ ایّام سر جھکائے ہوئے

زبانِ سبطِ نبیؐ پر تھا متصّل یہ کلام
نبیؐ کا لعل ہوں میں ہوں امامؑ ابنِ امامؑ
(۴۴)
مری پناہ میں ہے دینِ مصطفیٰؐ کا نظام
مری مدد ہے حقیقت میں نصرتِ اسلام
جو حق شناس ہو باطل کو رد کرے اس وقت
ہے کوئی ایسا جو میری مدد کرے اس وقت

نبیؐ کے لعل نے نصرت کا جب سوال کیا
تمام عالمِ امکاں میں زلزلہ آیا
(۴۵)
تڑپ کے کہتے تھے یہ لاشہ ہائے اہلِ وفا
تری غریبی پہ اے مصطفیٰؐ کے لعل فدا
کریں وہ جنگ کہ روحِ علیؑ کو شاد کریں
ملے جو زندگیٔ نو تو پھر جہاد کریں

وہ لوگ آنا تھا جن کو جہاں میں آئندہ
جواب انھوں نے بقدرِ شعور و ظرف دیا
(۴۶)
یہ چودہ صدیوں کی تاریخ دے رہی ہے صدا
اسی جواب کا مظہر ہے یہ شعورِ عزا
صفِ عزا پہ جو ان کے غلام حاضر ہیں
لیے ارادۂ حفظِ امامؑ حاضر ہیں

مدد کے واسطے تڑپا جو قلبِ مستقبل
تڑپ ہوئی تھی یہ قلبِ صغیر سے حاصل
(۴۷)
وہ شیر خوار وہ اس کا ارادۂ کامل
اسی ارادے سے ہارا ہے لشکرِ باطل
یہی حمایتِ سبطِ نبیؐ کا جادہ ہے
سفر میں آج بھی بے شیر کا ارادہ ہے

فضا میں گونجا جو تھا استغاثۂ شبیرؑ
دھڑک کے سینے میں کہتا تھا یہ دلِ بے شیر
(۴۸)
بچے جہاد نہ ہم کھینچ پائیں گے شمشیر
مگر امامؑ کی جانب چلا جو ظلم کا تیر
لہو سے خاکۂ نصرت میں رنگ بھر دیں گے
گلا امامؑ کی نصرت میں پیش کر دیں گے

ادھر سے خیمۂ اقدس میں مضطرب اصغرؑ (۴۹) ادھر اکیلا کھڑا تھا نبیؐ کا نورِ نظر
معاً پکاری یہ فضہؑ کہ اے علیؑ کے پسر عجیب مشکلِ تازہ کا وقت ہے ہم پر
کہوں یہ کیسے کہ ہے احتضار کی حالت
بگڑ گئی ہے مگر شیر خوار کی حالت

سنی جو سبطِ نبیؐ نے یہ دلفگار صدا (۵۰) تو رن سے خیمہ اقدس میں آ گئے مولاؑ
بہن نے بھائی کو دیکھا تو رو کے فرمایا کہ جلد جھولے کے نزدیک آیئے بھیّا
تڑپ تڑپ کے جہاں سے گزر نہ جائے کہیں
خدا نہ کردہ یہ ششماہہ مر نہ جائے کہیں

صدا جو آئی تھی خیمے میں استغاثہ کی (۵۱) کیے نجف کی طرف رخ کو میں تو روتی تھی
معاً ربابؑ نے آواز دی کہ بنتِ علیؑ خدا کے واسطے تشریف لایئے جلدی
کوئی سکون کی صورت نکالیے بی بی
مچل رہا ہے بھتیجا سنبھالیے بی بی

نہ میری گود نہ جھولے میں چین پاتے ہیں (۵۲) نہ اب ہمک کے سکینہؑ کے پاس جاتے ہیں
نہ آنکھ کھولتے ہیں اب نہ مسکراتے ہیں لبوں پہ سوکھی سی ننھی زباں پھراتے ہیں
اگر میں لعل کو اپنے پلا سکوں پانی
تو اپنی جان کے بدلے خرید لوں پانی

بہن کی بات کو سنتے تھے سبطِ پیغمبرؐ (۵۳) عیاں تھے رنج کے آثار صاف چہرے پر
کہا رباب سے سبطِ نبیؐ نے رک رک کر قریبِ مرگ ہے بی بی یہ آپ کا دلبر
جو تم کہو تو کوئی اہتمام کر دیکھیں
سوالِ آب کی حجّت تمام کر دیکھیں

ربابؑ بولیں یہ گھبرا کے دخل کیا میرا (۵۴) کہ دینِ حق میں ہے حکمِ امامؑ حکمِ خدا
مری خوشی تو ہے بس آپ کی خوشی مولا یہ کہہ کے ہوگئیں چپ اور کچھ کہا نہ گیا
نہ کہہ سکیں کہ مرے دل میں آگ لگتی ہے
وہ آنچ ہے کہ مری مامتا سلگتی ہے

بچشمِ یاس کبھی دیکھتی تھی سرورؑ کو (۵۵) پکارتی تھیں کبھی دل ہی دل میں حیدرؑ کو
بلائیں لے کے سناتی کبھی یہ اصغرؑ کو یہ ماں سمجھتی ہے بیٹا تمھارے تیور کو
جہادِ صبر کے جوہر دکھاؤ میداں میں
خدا کے شیر کے پوتے ہو جاؤ میداں میں

اشارا کرتی تھی یہ بے زبانیِ اصغرؑ (۵۶) شکست کھائے گا ہم سے یزید کا لشکر
ہمارے خون میں شامل ہے ورثۂ حیدرؑ خدا نے چاہا تو لوٹیں گے سرخرو ہوکر
سرِ غرورِ تشدّد جھکا کے آئیں گے
قضا یہ کہتی تھی ہاں تیر کھا کے آئیں گے

امامؑ دیکھ رہے تھے ربابؑ کی حالت (۵۷) گراں تھی دل پہ بہت شیرخوار کی فرقت
زبانِ صبر سے بولے ربابؑ سے حضرتؑ اب اپنے ہنسلیوں والے کو دیجیے رخصت
پکاری ماں مرے نورِ نظر خدا حافظ
زبانِ چشم سے بولا پسر خدا حافظ

قریبِ فوج جو پہنچے ٹھہر گئے سرورؑ (۵۸) کہا کہ پیاس سے مرتا ہے میرا نورِ نظر
سوالِ آب کہاں اور کہاں نبیؐ کا پسر مگر حفاظتِ بے شیر فرض ہے مجھ پر
یہ پاسِ حکمِ شریعت کلام کرتا ہوں
سوالِ آب کی حجت تمام کرتا ہوں

چلو تمھاری نظر میں خطا پہ ہے شبیرؑ (۵۹) مگر بتاؤ کہ اس طفل کی ہے کیا تقصیر
مٹائی تم نے رسالت مآبؐ کی تصویر مگر ہے لطف کہ قابل یہ اصغرؑ بے شیر
نہ تم کو اس سے کوئی خوف ہے نہ خطرہ ہے
تمہی کہو یہ کہیں تیغ کھینچ سکتا ہے

یہ کہہ کے لائے ہیں پانی پلائیں گے ان کو (۶۰) جہاں سے روٹھ رہے ہیں منائیں گے ان کو
ہوا فرات کی ٹھنڈی کھلائیں گے ان کو نہال خیمے میں پھر لے کے جائیں گے ان کو
چھری الم کی کلیجے پہ ماں کے چلتی ہے
کھڑی ہوئی درِ خیمہ پہ ہاتھ ملتی ہے

یہ سن کے فوجِ ستم گر تمام رونے لگی (۶۱) پڑا عجیب کشاکش میں ابنِ سعدِ شقی
مگر شریر کو ترکیب اک نئی سوجھی یہ حرملا سے کہا اپنا کام کر جلدی
کماں میں تیر کو جوڑا جو اس ستم گر نے
نظر میں تول لیا وزنِ تیر اصغرؑ نے

ادھر وہ تیر چلانے کو دستِ ظلم بڑھا (۶۲) ہلا وہ خیمۂ اُمِّ ربابؑ کا پردہ
شقی کا ہاتھ ادھر بار بار کانپ اٹھا اشارا کرتے تھے اصغرؑ ادھر کو تیر چلا
یہ داستانِ شقاوت تمام کر ظالم
یہ اضطراب گراں ہے امامؑ پر ظالم

نظر میں ہائے عجب دلخراش منظر ہے (۶۳) یہ ایک تیرِ ستم ہے یہ حلقِ اصغرؑ ہے
یہ کون بی بی ہے جو یوں ملول و مضطر ہے پڑھو ، درود پڑھو ، دخترِؑ پیمبرؐ ہے
نبیؐ کی نورِ نظر خلق کی ستائی ہے
یہ اپنے پھول سے پوتے کو لینے آئی ہے

چھدی جو تیرِ سہ شعبہ سے گردنِ اصغرؑ (۶۴) پدر کے ہاتھوں پہ بے جاں ہوا وہ رشکِ قمر
اک آہ کھینچ کے بولے یہ سبطِؑ پیغمبرؐ پدر نثار ہو تجھ پر مرے شہید پسر
پدر اٹھائے جو ہے طفلِ شیرخوار کی لاش
یہ اک کلی کا جنازہ ہے یا بہار کی لاش

ہے جیسے دستِ امامت پہ لاشۂ بے شیر (۶۵) ہے یونہی دستِ مشیّت میں مرضیٔ شبیرؑ
مفادِ ذات سے ہر رخ سے پاک نفسِ صغیر بنا ہے عصمتِ نفسِ حسینؑ کی تصویر
رہِ رضا میں محمدؐ کے نورِ عین کا نفس
مثالِ اصغرؑ معصوم ہے حسینؑ کا نفس

نہ اس میں رنگِ ہوس ہے نہ کوئی رنگِ انا (۶۶) ہر اک عمل کا ہدف ہے فقط رضائے خدا
رضائے حق کا سفر اس قدر بلند ہوا بشر نے اپنا ارادہ خدا کو سونپ دیا
بشر کا نفس اب اس درجہ پاک و سادہ ہے
بشر نہیں ہے یہ اللہ کا ارادہ ہے

نگاہِ حق سے کوئی دیکھے یہ حسیں تصویر (۶۷) رضائے حق ہے مجسّم بصورتِ شبیرؑ
کیا ہے کلکِ مشیّت نے لوح پر تحریر رضائے حق کا گلا لاکھ ہو تہہِ شمشیر
چراغِ حق کوئی آندھی بجھا نہیں سکتی
حسینؑ وہ ہے جسے موت آ نہیں سکتی

مگر یہ بات سمجھتی نہ تھی جو فوجِ شریر (۶۸) چلّائی سبطِؑ پیمبرؐ کے حلق پر شمشیر
شہید ، راہِ خدا میں جو ہو گئے شبیرؑ دہائی دیتی تھی سبطِؑ رسولؐ کی ہمشیر
گھڑی یہ کیسی مصیبت کی آئی ہے ناناؐ
چھنی ردا مرے سر سے دہائی ہے ناناؐ

بلا کے بن میں قیامت کی شام کیا کہیے (۶۹) سلگ رہے ہیں یہ کس کے خیام کیا کہیے
فرشتے کرتے ہیں کس کو سلام کیا کہیے وہ سجدہ اور وہ قیدی امامؑ کیا کہیے
عجب حکایتِ درد و الم سناتا ہے
یہ اک جلا ہوا جھولا کسے بلاتا ہے

سلام

اختر آصفؔ زیدی

ہیں کربلا کے اصغرؑ ، اصغرؑ کی کربلا ہے ننھی جبیں کے تیور ، اصغرؑ کی کربلا ہے
نسلِ امیرِ خیبر ، اصغرؑ کی کربلا ہے دیکھے کہاں ہے عنتر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
جنّت کسی کی ہوگی ، کوثر کسی کا ہوگا اے ساقیانِ کوثر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
آنے تو دیجے اِس کو میدانِ کربلا میں خود کہہ اُٹھے گا لشکر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
آیا ہے حُرملہ کی جانب پلٹ کے پیکاں کہتا ہوا مکرّر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
دریا پہ کر لیا ہے شیر علیؑ نے قبضہ چھے ماہ کے غضنفر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
زنداں میں رہنے والی وہ شام کی ہے فاتح یہ کربلا کا محور ، اصغرؑ کی کربلا ہے
گہوارۂ سکوں سے ، آغوشِ شاہِ دیں تک بازیچۂ جنوں پر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
اصغرؑ کا نام لکھ کر شاہِ شہؑ ہدا نے تہہ کر دیا ہے محضر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
اُمِّ ربابؑ اپنی آغوش پر ہو نازاں کیا ہوگا اِس سے بڑھ کر ، اصغرؑ کی کربلا ہے
عرشِ بریں سے آکر دامن میں کربلا کے آصفؔ پکارا اختر ، اصغرؑ کی کربلا ہے

❁❁❁❁

سلام

احمر شہوارؔ

وہ گھر عکّاسِ بیتِ سیدہؑ ہے جہاں شبیرؑ پہ گریہ ہوا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کا عشق اور دل یہ وسعت کربلا کا معجزہ ہے
ضریحِ شہؑ پہ خلقت ٹوٹتی ہے یقینا قصّہِ فطرس سنا ہے
ملائک اس میں شامل کیوں نہ ہوں گے جو ماتم کے لیے حلقہ بنا ہے
عزادارو تمھاری خوش نصیبی تمھارے حق میں زہراؑ کی دعا ہے
جسے بنتِ نبیؐ لائیں ہیں سی کر اسی رومال میں اشکِ عزا ہے
تمام عالم میں یہ گریہ و ماتم دلِ زہراؑ کے زخموں کی دوا ہے
سکینہؑ گھر نہیں جاو گی بی بی اٹھو دیکھو درِ زنداں کھلا ہے
علی اصغرؑ سے ماں بولیں کہ بیٹا رنگے گا خوں میں یہ کرتا نیا ہے
سکینہؑ رو کے مر جائے گی ظالم اسے بابا کا سر بھیجا گیا ہے
ملک شہوارؔ پوچھیں گے لحد میں نیا کوئی سلامِ شہؑ لکھا ہے

سلام

محکم عابدی

چراغِ دیں نے جب آواز دی عونؑ و محمدؑ کی
چلی زینبؑ کے گھر سے روشنی عونؑ و محمدؑ کی

دعائے ثانیٔ زہراؑ کی ہے دولت، مجھے حاصل
کہ دل میں بس گئی ہے دوستی عونؑ و محمدؑ کی

پلے ہیں نازشِ عصمت کے زیرِ تربیت دونوں
ادائیں کیوں نہ ہوں معصوم سی عونؑ و محمدؑ کی؟

یہ دریا کیا، ابھی ساتوں سمندر خشک ہو جائیں
اگر رکھ دوں ذرا سی تشنگی عونؑ و محمدؑ کی

ہر اِک صبحِ مصائب ہے عزادارِ علی اکبرؑ
ہر اِک شامِ الم ہے ماتمی عونؑ و محمدؑ کی

حُسینی مقصدیّت کے اُفق کا چاند ہے زینبؑ
فروزاں ہے اُسی سے چاندنی عونؑ و محمدؑ کی

کیا تھا ماں سے جو وعدہ، وفا یُوں کر گئے پیاسے
وہ دیکھو علقمہ سے بے رُخی عونؑ و محمدؑ کی

جُڑے ہیں نام بھی ایسے ، جُدا ہرگز نہیں ہوتے
ہے باہم ، اس طرح وابستگی عونؑ و محمدؑ کی

یہ کس ماں کا کلیجہ ہے ، خُدائے صبر ہی جانے
یہ کس نے داستاں، خوں سے لِکھی عونؑ و محمدؑ کی ؟

درِ زینبؑ پہ آ کر، مانگ لے خیرات اے سورج!
یہاں سے پُھوٹتی ہے روشنی عونؑ و محمدؑ کی

حیاتِ خضرؑ دیتی ہے، خدا کے دین کو محکمؔ!
جہادِ کربلا میں کمسنی عونؑ و محمدؑ کی

سلام

آیا نظر اُفق پہ جو ماہِ عزا کا چاند
اُس چاند میں دِکھائی دِیا فاطمہؑ کا چاند

یہ دن ہیں غم کے، اور یہ راتیں عزا کی ہیں
یہ اہلِ دل کے حق میں ہے ، آہ و بُکا کا چاند

کہنے لگا یہ چاند بھی ، اکبرؑ کو دیکھ کر
کتنا حسین ہے شۂ کرب و بلا کا چاند

تُو ہی بتا سکینہ! کہ تیرے چچا کو ہم
ہاشمؑ کا چاند لکھیں یا بُرجِ وفا کا چاند؟

ماہِ عزا کے چاند کو دیکھا ، تو یُوں ہُوا
آنکھوں میں آ گیا مری ، اشکِ عزا کا چاند

گریہ کناں ہے غم میں کسی بے کفن کے وہ
ہے سوگوار اب بھی کسی بے ردا کا ، چاند

پُوری نہ ہوگی چشمِ تمنّا کی آرزو
بالوں کے ہے حجاب میں شرم و حیا کا چاند

اے چاند دیکھ! اپنے ستاروں کے ساتھ ساتھ
نیزوں کے آسمان پہ ہے کربلا کا چاند

یہ کربلا ہے نور کا محور زمین پر
اِس میں چُھپا ہے خامسِ آلِ عبا کا چاند

محکمؔ! عزائے سبطِ پیمبرؐ کے چرخ پر
چمکے گا حشر تک مری فکرِ رسا کا چاند

سلام

قیصر عباس قیصرؔ

کیسی ہے ریاست جانتے ہیں آدابِ سفارت جانتے ہیں

نائب ہیں نیابت جانتے ہیں وہ اصل حقیقت جانتے ہیں
خود در پر آن کے بیٹھ گئے ہانی کی مودّت جانتے ہیں
دنیا کو۔۔۔ سرورؑ سے ۔۔۔ مسلم کتنی ہے عداوت جانتے ہیں
باطل کا جگر سرورؑ کے عدو مسلم کی ضربت جانتے ہیں
ڈھائی نہ قیامت مسلم نے؟ احکامِ شریعت جانتے ہیں !!!
جتنے چاہو خط بھیجو وہ معیارِ محبّت جانتے ہیں
دھوکا دے گا اک دن کوفہ شبیرؑ یہ فطرت جانتے ہیں
دو چاند ہیں یوں فریاد کناں کوفے کی شقاوت جانتے ہیں
شبیرؑ کا سر ۔۔۔ زینبؑ کی ردا اسلام کی قیمت جانتے ہیں؟
قیصؔر کے برابر ہونا ہے کیا آپ ریاضت جانتے ہیں؟

منقبت

فدا محمد ناشاد

مرے کلام پہ حمد و ثنا کا سایہ ہے مرے کریم کے لطف و عطا کو سایہ ہے
میں حمد و منقبت و نعت لکھ رہا ہوں مرے تخیلات پہ شاہؑ ہدیٰؑ کا سایہ ہے
لکھا ہے حُسن جہاں ، اُس کو پڑھ چکا ہوں حسنؑ حسینؑ پہ خامسِ آلِؑ عبا کا سایہ ہے
خُدا نے ہم کو نوازا خواسِ خمسہ سے یہ ہم پہ پنجتنؑ با صفا کا سایہ ہے
کوئی مریض ہو لے جا رضاؑ کے روضے پر وہیں طبیب ہے ، دارالشفا کا سایہ ہے
سفر ہو یا ہو حضر مجھ کو کوئی خوف نہیں کہ مجھ پہ شاہِ نجف مرتضیٰؑ کا سایہ ہے
علیؑ امام مرا اور میں غلامِ علیؑ علیؑ کی شان پہ تو لا فتاؑ کا سایہ ہے
زِ لطفِ احمدِ مرسلؐ ، بفضلِ آلِؐ رسولؐ میں خوش نصیب ہوں ، مجھ پر ہما کا سایہ ہے
وہی ہے نفسِ پیمبرؐ وہی ہے زوجِ بتولؑ علیؑ کی ذات پہ ہی ہل اتیٰ کا سایہ ہے
ریاضِ خلد کے سردار شبّرؑ و شبیرؑ حدیثِ پاک ہے ، خیر الوراؐ کا سایہ ہے
سفیرِ کرب و بلا زینبِؑ حزیں پہ سلام وہ جس کے عزم پہ خیر النساؑ کا سایہ ہے
تری دعا کی اجابت میں دیر کیا ہوگی علیؑ کا نام لے حاجت روا کا سایہ ہے

نجات پائے گا ہر دُکھ سے تو نہ رہ ناشادؔ!
کہ تجھ پہ رحمتِ ارض و سماؐ کا سایہ ہے

اردو مرثیہ کا عہد بہ عہد سفر

(دیدہ وری)

ڈاکٹر ناشر نقوی

اردو کی جملہ اصناف میں مرثیہ ہی وہ واحد صنفِ شاعری ہے جو اپنی ساخت اور شناخت سے خالصتاً ہمارے برصغیر ہندو پاک سے وابستہ ہے۔ یہ ادبی اور شعری صنف انسانی معاشرے میں مقصدیت کے اعتبار سے، اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ کردار سازی کا پیغام دیتی ہے۔ مرثیہ اُسی آئیڈیل انسان کو یاد کرنے کے لئے کہا جاتا ہے جو پڑھنے والے کو مثبت طور پر مثالی زندگی گزارنے کی تحریک دیتا ہے۔ مرثیے کا ہیرو رزم اور بزم دونوں میدانوں میں قابلِ تقلید ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ادب میں مرثیہ اپنی ابتدائے آفرینش سے ہی معرکۂ کربلا اور شہدائے کربلا کی مثالی زندگی کو موضوع بنا کر آگے بڑھا ہے۔ مرثیے کی مجموعی روایت عربی شاعری سے فارسی اور پھر اردو تک رائج ہونے میں شہیدانِ کربلا کی حق گوئی، ہمت، رشتوں کی عظمت، ایک دوسرے کے ساتھ محبتوں کی وحدت اور شہادت کا بیان رہی ہے۔ تحریک زندگی کی اسی مقصدیت اور معنویت کے سبب اردو میں مرثیہ کی صنف نے نہ صرف ادب کو مالا مال کیا ہے بلکہ ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں جوش و خروش بھی بھرا ہے جس کے نقوش ابتدا سے موجودہ عہد تک کے مرثیوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہندوستان کی پہلی تحریکِ آزادی، یعنی ۱۸۵۷ء کا زمانہ، اردو مرثیہ کا سنہری دور رہا اسی زمانے میں انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ نگاری مجموعی اردو شاعری کا افتخار کہلائی۔ آزادیٔ وطن کی تحریک میں اردو مرثیہ نگاری نے بھی اہم کردار ادا کیا جس کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک آتے آتے مکمل آزادی حاصل کرنے تک جاری رہا۔ ان حقائق کے ثبوت ہمیں شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی، جمیلؔ مظہری، نسیمؔ امروہوی، فیض احمد فیضؔ، آلِ رضا رضاؔ، مہدی نظمی اور وحیدؔ اختر جیسے شاعروں کے مرثیوں میں اجاگر نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی سے موجودہ زمانے تک اردو مرثیہ آج بھی انسانی معاشرے میں کردار سازی اور حق نوازی کا فریضہ ادا کر رہا ہے جو مرثیہ کی صنف کی افادیت اور مقصدیت کا ثبوت ہے۔

اردو مرثیہ کا صنفی تعارف

لغوی اعتبار سے 'مرثیہ' عربی زبان کا لفظ ضرور ہے، جس کا مصدر 'رثا' ہے اور معنی موت پر جی کُڑھنا ہے، لیکن بطور ایک صنف، مرثیہ کی تشکیل و تکمیل کی جڑیں ہندوستان کی اپنی دھرتی میں ہیں۔ ہمارے ابتدائی ناقدینِ ادب نے عربی لفظ کی رعایت سے مرثیہ کی یہ تعریف عام کر دی کہ کسی کی موت پر جی کڑھنا اور مرنے والے کے محاسن بیان کر کے اس کے نام کو زندہ رکھنا ہوتا ہے۔ مرثیہ کی اس محدود تعریف سے عصری ناقدین اور دانشوروں نے پوری طرح اتفاق نہیں کیا۔ ان دانشوروں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرثیہ کی تعریف اگر یوں بتائی

جائے تو صنفِ مرثیہ سے صحیح انصاف ہوگا:

''کسی برگزیدہ شخصیت کے وصال کے بعد، اُس کے صالح اور قابلِ تقلید کردار اور پیغام کی منظوم تشہیر و تبلیغ کو مرثیہ کہتے ہیں۔''

اس صحیح تعریف سے ہمارے زمانے کے مرثیہ فہم دانشوروں، پروفیسر عقیل رضوی (مرثیے کی سماجیات)، پروفیسر شارب ردولوی (اردو مرثیہ) عاشور کاظمی (بیسویں صدی میں اردو مرثیہ) ڈاکٹر ہلال نقوی (جدید اردو مرثیہ) ڈاکٹر مسیح الزماں، ڈاکٹر نیر مسعود، ڈاکٹر ڈاکٹر سید مجاور حسین، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، ڈاکٹر ناشر نقوی اور ڈاکٹر عظیم امروہوی وغیرہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ ان حضرات نے بھی اپنی کتابوں میں اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ 'مرثیے کو سوگ کی نظم' کہنا بالکل غیر مناسب ہے۔ حالی اور فیروز الدین نے اردو مرثیہ کی جو تعریف بتائی ہے اس میں سوگ پر زور دیا گیا ہے، اُس طرح کی نظم 'نوحہ' اور 'سلام' تو ہو سکتی ہے مرثیہ نہیں ہو سکتی۔

عربی اور فارسی میں جو مرثیے کی روایت رہی وہ 'مردے پر رونا اور آہ وزاری' کرنا ہی ہے لیکن اردو میں مرثیہ کی صنف موضوعاتی لحاظ سے واقعاتِ کربلا سے مختص و مربوط رہی ہے اور اسی مفہوم میں رائج بھی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کچھ شاعروں نے اپنے کسی چاہنے والے کی موت پر بھی جو تاثراتی نظم کہی اسے مرثیہ کا نام دے دیا۔ بہر حال اردو نے ایسے مرثیوں کو 'شخصی مرثیہ' کے زمرے میں رکھ تو لیا لیکن اس پر خاص توجہ نہیں دی گئی۔ ایسے مرثیوں میں غالب کا کہا ہوا 'مرثیۂ عارف' حالی کا 'مرثیۂ غالب' اور چکبست کا 'مرثیۂ گوکھلے' ادب میں شامل بھی کیا گیا ہے جو زیبِ داستاں تک ہی محدود ہے۔ ایسے مرثیے 'شخصی مرثیہ' کے زمرے میں آتے ہیں۔

بہر حال مرثیہ کی صنف کے لیے کوئی شعری ہیئت بھی مقرر نہیں رہی ہے۔ ابتدائی مرثیے 'دوبیتی' کی ہیئت میں بھی ملتے ہیں جس کی تشکیلی صورت یہ تھی کہ تین مصرعے، بند اور چوتھا ٹیپ کا مصرع ہوتا تھا۔ بعد کے مرثیے مثنوی اور ترکیب بند بھی سامنے آئے۔ سودا کے زمانے میں پہلے مخمس اور اور بعد کو مسدس کی فورم مخصوص ہوگئی۔ مسدس کی ہیئت کو لکھنؤ میں میر خلیق نے کافی فروغ دیا۔ مسدس کے ہر بند یعنی چھ مصروعوں کے ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ ٹھہرائے گئے اور پانچویں چھٹے مصرعے کو الگ ہم قافیہ ردیف کے ساتھ ایک شعر کی صورت میں بیت یا ٹیپ کی پہچان دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سودا اور میر خلیق کی تاسی ان کے معاصرین سے انیس و دبیر تک اور پھر بعد کے شعراء تک نے کی جو مرثیہ نگاری میں ایک شناخت بن گئی اور آج تک یہ ہی فورم مرثیہ نگاری میں رائج ہے۔ مختصر یہ کہ مسدس میں ایک بند چھ مصرعوں کا ہوتا ہے جس میں ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ اور پانچواں چھٹا مصرعہ ایک مطلع کی طرح بیت کہلاتا ہے۔ مذکورہ مشاہیر مرثیہ نگاروں نے یہ بھی التزام رکھا کہ جو بھی مرثیہ تخلیق کیا اس کا آغاز جس مطلع سے کیا اُس کو چار اور دو مصرعوں میں مُردف ہی رکھا ہے تاکہ شروع سے ہی مرثیے میں زورِ بیان قائم رہے۔

مرثیہ کیوں کہ ایک بیانیہ نظم ہوتی ہے اس لئے اس کی ترتیب کے لیے میر ضمیر نے اجزائے ترکیبی مقرر کیے تھے جو اس طرح ہیں چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم (جنگ)، شہادت اور بین۔ یہ اجزاء ایک طرح سے الگ الگ عنوان ہیں جن کے پیشِ نظر جس بہادر کا بھی مرثیہ کہنا ہوتا تھا وہ ہر عنوان پر اگر پانچ پانچ بند بھی کہتا تو چالیس بند تو ہو ہی جاتے تھے۔ یہ اجزائے ترکیبی مرثیہ نگاری میں کبھی لازم نہیں رہے حد ہے کہ انیس و دبیر نے بھی ان کی بھرپور پاسداری نہیں کی لیکن بہر حال مرثیہ نگار کے لیے سہولت ضرور مہیا کرتے ہیں۔

مرثیہ اردو شاعری کی وہ واحد صنف ہے جس میں ہماری اپنی تہذیب سانس لیتی ہے اور ہمارے اپنے سماجی رشتے محفوظ ہیں۔ دوسرے

لفظوں میں مرثیہ انسانی رشتوں میں بیزاری نہیں بلکہ بیداری پیدا کرنے والی صنف ہے۔ مرثیہ حقیقی زندگی کا وہ منظوم آئینہ ہے جس کے ہر عکس میں انسانی کردار کے نقش ونگار ابھرتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا بیان اور انسانی زندگی کا ترجمان ہے۔ یہ وہ صنفِ شاعری ہے جس میں غزل کی رنگینی، قصیدے کی شان، مثنوی کی لطافت اور نظم کا تسلسل سب کچھ شامل ہے۔ مرثیے میں ممدوح کے پیغامات اور اس کی آفاقی قدروں کو جس ہمہ گیری کے ساتھ اردو مرثیہ نگاروں نے پیش کیا ہے اس کی مثال ہمیں عربی اور فارسی ادب میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے خطے میں انسانی رشتوں کے آداب ہیں، وہ عرب وعجم میں نہیں ہیں۔ اردو میں مرثیہ فرد سے افراد، افراد سے قوم اور قوم سے سماج تک پھیلتا ہوا ایک آوازِ حق بنا ہے جوشؔ ملیح آبادی کے الفاظ میں:

جس نے حقیقی شہادت کا مفہوم نہیں سمجھا وہ مرثیے کی عظمت کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس پرکھ کے لیے حسینؑ کو زندگی اور زندگی کو حسینؑ بننا پڑے گا۔'' (یادوں کی برات)

یہ بھی ناگزیر حقیقت ہے کہ مرثیہ ہی وہ واحد صنف شاعری ہے جو زمانوں، تہذیبوں اور ماحولوں کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس خطّے اور جس عہد کے شعراء مرثیہ کہتے ہیں وہ اپنے گردونواح کی تاریخ وتہذیب کے موّرخ ومصوّر ہوتے ہیں۔

قابلِ ذکر ہے کہ اردو میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں فنون کا رشتہ اُن ہی علاقوں سے رہا ہے جہاں تہذیبِ کربلا کے حوالے سے مجلسی کلچر رہا۔ ہندوستان میں مجلسی کلچر کے علاقے دکن میں حیدرآباد، بہار میں پٹنہ، شمال میں دہلی کے ساتھ ساتھ اتر پردیش میں اودھ اور روہیل کھنڈ کے اضلاع زیادہ رہے ہیں، جہاں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کی روایت شروع ہی سے رہی ہے۔

اردو مرثیہ کا ارتقاء

دکن میں اردو مرثیہ

اردو میں مرثیہ کی روایت بہت قدیم ہے۔ یوں تو پہلے سے ہی جنوبی ہندوستان کے صوفیائے کرام کی سرپرستی مرثیے کی صنف کو حاصل رہی ہے لیکن سولھویں صدی عیسوی کے آغاز سے متعلق شاعر، اشرف بیابانی کی مشہور نظم 'نوسرہار' (۱۵۰۳ء) کو بھی مرثیہ نگاری کا نقطۂ آغاز کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے اپنی کتاب 'دکن میں مرثیہ اور عزاداری' میں برہان الدین جانم (۱۵۸۰ء) کو، دکن کا پہلا مرثیہ نگار تسلیم کیا ہے۔ لیکن اردو کی ادبی تاریخ کے حوالے سے اردو اور دکن کا پہلا مرثیہ نگار شاعر قلیؔ قطب شاہ (۱۵۶۵ء- ۱۶۱۲ء) کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دکن کے گولکنڈہ، موجودہ حیدرآباد میں محرّم کا مہینہ شروع ہوتے ہی ماتمی اور مجلسی ماحول تیز ہوجاتا تھا اور امام باڑوں میں ذکرِ کربلا اور ذکرِ شہادت کی مجلسیں آراستہ ہوجاتی تھیں۔ اسی پس منظر میں قلیؔ قطب شاہ کی شاعری کے چرچے تھے۔ قلیؔ کے مرثیوں میں سانحۂ کربلا سے متعلق شہیدانِ کربلا کی شہادت کا ذکر اور بین وبُکا کے عناصر نمایاں طور پر بیان ہوئے ہیں۔ شہادت کا بیان اور بین وبُکا اردو مرثیہ کی بنیادی اساس ہے۔ دکن سے متعلق اسی عہد کے اہم مرثیہ نگاروں میں مُلا وجہیؔ اور غوّاصیؔ کے نام آتے ہیں۔ یہ وہ ہی مُلا وجہیؔ ہیں جن کی مشہور داستان 'سب رس' کو اردو کی ابتدائی نثر میں اہمیت حاصل ہے۔ وجہیؔ اور غواصیؔ نے اپنے مرثیوں میں مختلف صنعتوں کا فنکارانہ استعمال

کیا ہے۔

دکن سے وابستہ ابتدائی مرثیہ نگاروں میں فی زمانہ جونمایاں نام سامنے آتے ہیں ان میں گولکنڈہ (حیدرآباد) سے فائزؔ، لطیفؔ، افضلؔ اور نوری شامل ہیں جبکہ بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کے دوران نصرتیؔ اور مرزاؔ نے بہت نام کمایا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ دکن کے مرثیہ نگاروں نے اپنی مرثیہ نگاری سے اردو اور دکنی دونوں زبانوں کو قریب سے قریب تر کرنے میں اہم کردار بھی ادا کیا ہے۔ دکن کے سلاطین کی خصوصی سرپرستی نے اردو مرثیے کے ارتقائی سفر میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی سے متعلق دکن کے جن مرثیہ نگاروں کے نام تاریخِ ادب کا حصہ بنے ان میں ہاشم اور درگاہ قلی خاں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ اس صدی عیسوی تک جن مرثیہ نگاروں کو ابتدائی اردو مرثیہ نگاری کی تاریخ میں خصوصی طور پر قابلِ ذکر سمجھا گیا ہے ان کے مرثیوں کے نمونے مندرجہ ذیل ہیں۔

قلیؔ قطب شاہ (۱۶۱۲ء۔۱۵۶۵ء)

دو جگ اماماں دکھ تھے، سب جیو کرتے زاری زاری وائے وائے — تن روں کی لکڑیاں جال کر کرتے ہیں خواری وائے وائے
دو نور دیدے بی بی کے، آخر دیکھ کیوں دُکھ دُکھے — لہو میں پڑے پیاسے بھکے، دیکھو یہ خوری وائے وائے

اسداللہ، مُلا وجہی (۱۶۵۹ء۔۱۵۸۰ء)

حسینؑ کا غم کرو عزیزاں — انجو نین سوں جھڑو عزیزاں
حسینؑ پوں یاراں درود بھیجو — کہ دین کا یو دیوا جلایا

ہاشم علی (متوفی ۱۷۲۳)

اس کربلا کے بن میں اکیلی میں کیوں رہوں — تجھ باج میں جہاں میں پھر امید کیا دھروں
جد کے مدینے کیوں کہ میں اس ٹھار سے پھروں — تم اپنے ساتھ لے کے دکھاؤ وطن مرا

درگاہؔ قلی خاں (۱۷۹۶ء۔۱۷۱۰ء)

ہوئی صبحِ شہادت اب بجاؤ طبل رحلت کا — اٹھاؤ اب جنازے کوں پڑھو کلمہ شہادت کا
مدینے میں لجا جلدی کرو اب دفن میّت کا — محمدؐ سے کہو آیا جگر خاتونِؑ جنّت کا

مذکورہ مرثیوں میں سولھویں صدی عیسوی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک اردو زبان کی تشکیل اور اس کے ارتقاء کی بھی جھلک نظر آتی ہے اور زبان کے ساتھ ساتھ شاعری میں جو نفاست آتی رہی ہے اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مذکورہ دو صدیوں کے بعد دکن کے ادبی افق پر مرثیہ نگاری کے حوالے سے جو نام اجاگر ہوئے ان میں روحیؔ، ہاشمیؔ اور ہاشمؔ علی برہان پوری نہایت اہم ہیں۔ ہاشمؔ کے کلام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسلسل مرثیے کہتے رہے ہیں:

شاعری میں یوں مقرّر ہے تجھے ہاشمؔ علی — جُز ثناء و مرثیہ، شعرِ دِگر کہنا غلط

اٹھارویں صدی عیسوی سے متعلق دکن کے شاعروں کی زبان پر دکنی سے زیادہ فارسی زبان و ادب کا اثر زیادہ نظر آتا ہے۔ ان مرثیہ

نگاروں کے ہی دور میں فضلِ علی فضلیؔ تھے جنھوں نے فارسی تصنیف روضۃ الشہداء کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا تھا جو 'کربل کتھا' کے نام سے اردو کی ابتدائی نثر میں اہمیت کا حامل ہے۔ ہاشمؔ علی کے بعد دکن کے اردو مرثیہ نگار مرزاؔ کا نام آتا ہے جس نے دکن کی مرثیہ نگاری کو نئے مضامین شامل کر کے وسعت بخشی۔

مذکورہ زمانے میں دکن کی مرثیہ نگاری زیادہ تر بین و بکا کو اپنا محور بنائے رہی جس کے سبب ادب کے فروغ سے زیادہ عقیدت پر زور رہا۔ جب کہ شمالی ہندوستان میں اس وقت جو مرثیے کہے جا رہے تھے ان میں بنیاد فروغِ ادب بھی تھا اور ادب کی مقصدیت پر بھی زور دیا جا رہا تھا۔ دہلی میں میرؔ و سوداؔ، شاعری میں نئے تجربے کر رہے تھے، تو لکھنؤ میں دلگیرؔ، میر خلیقؔ اور میر ضمیرؔ زبان و بیان کی نفاست پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے۔ یہ ہی وہ پس منظر ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی تک دکن میں اردو مرثیہ نگاری کے حوالے سے کوئی قابلِ ذکر نام نہیں ابھر سکا۔ البتہ بیسویں صدی میں دکن کے تعلق سے دیکھیں تو نجمؔ آفندی، باقرؔ امانت خوانی، مقصود جاویدؔ اور قائمؔ جعفری کے ہی نام سامنے آتے ہیں جن کے مراثی شائع بھی ہو چکے ہیں۔ موجودہ عہد تک ڈاکٹر تقی عابدی کے علاوہ دکن سے کوئی ایسا قابلِ ذکر نام نہیں ہے جس کو اردو مرثیہ نگار کی حیثیت شہرت ملی ہو۔

شمالی ہندوستان میں اردو مرثیہ

ابتدائی دور کے دکنی اردو مرثیوں میں فنی شعور کا فقدان تھا۔ شمالی ہندوستان میں جب یہ داخل ہوا تو اس کو اس کی مجلسی حیثیت کے ساتھ ساتھ ادبی منزلت بھی حاصل ہوگئی۔ محمد رفیع سوداؔ نے مرثیے میں حزن و ملال کے ساتھ اسے علمی و فنی جمال سے آراستہ کیا۔ جذبات نگاری، منظر نگاری، نفسیاتی مرقع کشی کی شعوری کوشش سے مرثیہ مالا مال ہوتا چلا گیا۔ سوداؔ کے معاصرین میں میر تقی میرؔ، لکھنؤ میں چھنو لال دلگیرؔ، میر ضمیرؔ اور میر خلیقؔ وغیرہ کی کاوشوں سے ہیئت اور مواد میں دونوں ہی اعتبار سے مرثیہ کو بلندی ملتی چلی گئی۔ مرثیے میں رزم و بزم اور سراپے کے اضافے نے چار چاند لگا دیئے۔ زبان و بیان پر خصوصی توجہ دی گئی۔ محاوروں اور تشبیہ و استعاروں سے گفتگو شروع ہوئی جس کو مزید عظمتیں انیسؔ و دبیرؔ نے بخش دیں۔

شمالی ہندوستان میں یوں تو چھ صوبے آتے ہیں لیکن ان میں جموں کشمیر، ہریانہ پنجاب، راجستھان اور اتراکھنڈ پانچ ایسے صوبے ہیں جہاں نہ تو کبھی کربلائی مجلسی تہذیب رہی ہے اور نہ ہی مقامی طور پر اردو بولی جاتی ہے جبکہ شمالی ہندوستان کے بہار، دہلی اور اتر پردیش صوبوں میں اردو کا چلن بھی عام رہا ہے اور عزاداری کی روایت بھی شروع سے قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کی جڑیں دہلی اور اتر پردیش میں ہی مضبوط دکھائی دیتی ہیں۔

دہلی میں اردو مرثیہ نگاری کی ابتداء سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے تسلیم کی جاتی ہے۔ ابتدائی دور کے نمائندہ مرثیہ نگاروں میں روشنؔ علی، قربانؔ علی، ہاشمؔ، خادمؔ، کلیمؔ، شاہ مبارک آبروؔ، خواجہ برہانؔ الدین، اور قائمؔ دہلوی کے نام اہم ہیں۔ تاریخی اعتبار سے دہلی میں پہلا اردو مرثیہ روشن علی کا 'عاشور نامہ' ہے جو ۱۶۸۸ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ مرثیہ مثنوی کی ہیئت میں تین ہزار پانچ سو چوالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس زمانے کے سب ہی شعراء نے مثنوی ہی کی ہیئت کو مرثیہ کے لئے اپنایا ہے۔ اٹھارھویں صدی میں یک رنگ اور قائم ہی ایسے شاعر ہیں

جنھوں نے غزل کی ہیئت کو بھی اپنے مرثیوں میں جگہ دی اور اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے۔

یکرنگؔ نے مرثیہ کی صنف کو ہزار رنگ دے کر خود کو تاریخ میں محفوظ کر لیا۔ ان کے بعد بڑا نام قائمؔ دہلوی کا ہے جو محمد شاہ بادشاہؔ کے عہد کے شاعر تھے۔ خود محمد شاہ بادشاہؔ نے بھی کربلائیات کے موضوع پر مرثیہ کہے ہیں۔ اسی دور کے میر محمد مہدی مسکینؔ دہلوی، غمگینؔ دہلوی اور حزینؔ دہلوی کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ تینوں سگے بھائی تھے اور مرثیہ کے علاوہ کسی دوسری صنف میں انہوں نے قلم نہیں اٹھایا۔ مسکینؔ دہلوی، یہ وہی میاں مسکین ہیں جن کا تذکرہ مرزا سوداؔ نے اپنے قصیدے ''تضحیکِ روزگار'' میں کیا ہے انہوں نے منفرد مربعہ، مربعہ دوہرہ بند مرثیے کہے ہیں۔

محمدؐ نے علیؑ کو لحمکِ لحمی جو فرمایا حسینؑ اس لحمکِ لحمی کا اک لختِ جگر آیا
تو جس ظالم نے اس مظلوم کی گردن کو کٹوایا اسے پوچھو وہ خنجر کس کی گردن پر ہے چلوایا

مسکینؔ دہلوی کا ایک مرثیہ فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے اور فورٹ ولیم کالج کی مطبوعات میں یہ مرثیہ دیوناگری رسم الخط میں شائع ہوا ہے۔

مرثیہ کی ابتدائی دور میں مرثیہ کی کوئی ہیئت مقرر نہیں تھی مربع، مثنوی اور نظم مسلسل کی شکل میں یہ مراثی ملتے ہیں۔ فضل علی فضلیؔ بھی اسی عہد کا نمائندہ شاعر ہے جس نے روضۃ الشہداء کو 'کربل کتھا' کے نام سے اردو سانچے میں ڈھالا۔ کریم الدین نے اپنی تصنیف ''طبقات الشعراء'' میں فضلیؔ دہلوی کا کافی ذکر کیا ہے۔ فضلیؔ کے مراثی ہندوستانی بیوہ کے جذبات کی سچی اور پر اثر عکاسی کرتے ہیں۔ اس عہد کا بتدریج مشہور شاعر عاصمیؔ دہلوی ہے جس نے مرثیہ کی صنف کو بڑی تقویت دی ہے۔ فضلی کے بھائی کرم علی کرمؔ بھی اپنے زمانے کے ممتاز مرثیہ نگار تھے۔ دلی کے مرثیہ نگاروں میں فقیرؔ دہلوی کا نام بھی مستند نام ہے جس کا تذکرہ ''طبقات الشعراء'' میں بھی ملتا ہے۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ، اردو مرثیہ میں نئی ترکیبوں کے موجد ہیں۔ مرثیے کو مسدس کی ہیئت دینے کا سہرا بھی سوداؔ ہی کے سر ہے۔ مرقّع نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور تشبیب کی بندشیں سوداؔ نے ہی مرثیہ میں شامل کی ہیں۔ ڈاکٹر مسیح الزماں کی تحقیق کے مطابق سوداؔ نے بہتر (۷۲) مرثیہ نظم کیے ہیں نیز ہیئت اور موضوع دونوں میں امتزاج پیدا کیا ہے۔ روز مرّہ کی زبان کے ساتھ ساتھ سوداؔ نے ہندوستانی موسموں کے حوالے سے بھی واقعۂ کربلا کو نظم کیا ہے اور ہندوستانی رسم و رواج کو بھی نظم کا لباس دیا مثلاً

کیا کروں شادیٔ قاسمؑ کا میں احوال رقم واسطے دیکھنے کے آرسی مصحف جس دم
بیاہ کی رات رکھا تخت پہ نوشہ نے قدم گائے تقدیر و قضا نے یہ بدھاوے باہم
قاسمؑا، مرگ جوانانہ مبارک باشد
جلوۂ شمع بہ پروانہ مبارک باشد

سوداؔ کے بعد دہلی میں میر تقی میرؔ نے فن کی پختگی اور استادی کی منزلوں پر پہنچ کر مرثیے سے اپنا رشتہ جوڑا۔ میرؔ کا مزاج غزل میں بھی مرثیے سے مماثلت کرتا ہے۔ ان کی شاعری کے بارے میں کچھ بھی کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ایک طویل مرثیے کا صرف ایک

بندان کی مرثیہ نگاری اور دلّی کی نمائندگی کے طور پر ملاحظہ ہو ؎

ایسے ثباتِ پا سے مرنا بہت ہے مشکل سو سو سیاہ دل تھے ایک ایک کے مقابل
رحمت بر آں جواناں لعنت بہ جمعِ باطل مر تو گئے ہیں سرورؑ پر کر گئے ہیں ساکا

دلّی کی ٹکسالی زبان جو اپنی انفرادیت رکھتی ہے اس کے بنانے اور تاثر پیدا کرنے میں میرؔ کی شاعری کا بڑا دخل ہے۔ میرؔ اور سوداؔ کے معاصرین میں مقبول شاہ بےنواؔ دہلوی کا نام بھی نمایاں نام ہے۔ سوداؔ کے ایک اور ہمعصر میر غلام حسین ضاحکؔ دہلوی مرثیے کی دنیا کے ناخدائے سخن میر انیسؔ کے جد تھے۔ جب دلّی اجڑی تو میر ضاحکؔ بھی دلّی سے فیض آباد چلے گئے پھر ان کا خاندان وہیں آباد رہا۔ یہاں اگر یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ اردو مرثیہ نگاری کا جو تناور درخت لکھنؤ میں نظر آتا ہے اس کی اصل جڑیں دہلی ہی میں ہیں۔

دلّی کی مرثیہ نگاری کی تاریخ میر گھاسیؔ دہلوی کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ گھاسیؔ ہی کے عہد کا دوسرا اہم ترین نام میر حسن دہلوی کا ہے۔ یہ انیسؔ کے دادا تھے ان کی شاعری بھی تعارف کی محتاج نہیں۔ مثنوی کی صنف میں حرفِ اول اور اہم ترین نام میر حسن کا ہے۔ میر حسنؔ کے ہم عصروں میں ندیمؔ دہلوی، شاہ مبارک آبروؔ، شرف الدین شرفؔ، امیر یار خاں انسانؔ، سراجؔ، آرزوؔ، میر امانیؔ اور گمانؔ دہلوی کے نام بھی تاریخ میں درج ہیں۔

شیخ قلندر بخش جراتؔ دہلوی نے جہاں غزل کو نیا روپ دیا ہے وہاں صنفِ مرثیہ پر بھی انہوں نے جرات مندانہ طور پر اپنی انفرادیت کی چھاپیں چھوڑی ہیں۔ جرأت نے اپنے مراثی میں رثائیت، زبان اور محاورہ بندی کے استعمال سے مرثیہ میں خطیر اضافے کیے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی ہی کے احمد بیگ، قزلباش دہلوی، حسن رضا، نجات دہلوی، ہویدا دہلوی، مرزا مغل ندرت وامامی، قسمت دہلوی، فاطمی دوامی، میر جیون افکار، میر امانی اسدؔ، میر شبیر علی افسوس، خواجہ احسن اللہ اور مرزا جاں طپش دہلوی نے بھی اردو مرثیہ نگاری میں شہرتِ دوام حاصل کی ہے۔

دہلی میں مرثیہ نگاری کے حوالے سے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے مختصر مرثیے کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا یہ دوسری بات ہے کہ اس صنف میں باوجود کوشش کے بھی وہ سلسلہ فکر کو آگے نہ لے جا سکے۔ نمونہ کلام کو طور پر غالب کا یہ مطلع ملاحظہ ہو ؎

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو اے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لبِ عیسیٰؑ پہ فغاں ہو اے ماتمیانِ شہؑ مظلوم کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ نے بھی مرثیے کی صنف کو اپنی فکر سے ندرتیں بخشیں ہیں، اُنیسویں صدی عیسوی کے استادِ فن حیدر بخش دہلوی نے مرثیہ نگاری میں دہلوی زبان کو فروغ دینے میں نمایاں کام کیے۔ آپ فورٹ ولیم کالج جیسے تعلیمی ادارے سے بھی منسلک رہے۔ اسی عہد کا ایک اور شاعر اشرفؔ دہلوی، جس کی قلمی کلیات خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اشرف کے مرثیے عام بستوں میں موجود ہیں۔ سلسلہ وار مرثیہ نگاروں میں اس عہد کے نیاز دہلوی، حفیظؔ دہلوی، شریفؔ دہلوی، حقیرؔ دہلوی، شیفتہؔ، یوسفؔ علی خاں، نواب احمدؔ علی خاں، تمیزؔ دہلوی،،

میر سیدؔ علی سید دہلوی کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

داغؔ دہلوی، محبوبؔ دہلوی، جعفرؔ علی بیگ قزلباش اور ظہیرؔ دہلوی بھی دہلی سے متعلق مرثیہ گو شعرا ہیں۔ بیسویں صدی کے قزلباش دہلوی کے بعد خالصتاً دہلی والوں میں کوئی مرثیہ نگار نہیں ملتا البتہ مختلف علاقوں سے جو شعراء آ کر دہلی میں بسے اور دہلی کی ہی بود و باش اختیار کر گئے انھوں نے دہلی کی بھی نمائندگی کی ہے یہ سلسلہ ہنوز جاری بھی ہے۔ شمالی ہندوستان میں دہلی کے بعد اتر پردیش کا اودھ اور روہیل کھنڈ علاقہ دونوں ہی مرثیے کے لیے ہموار علاقے رہے ہیں۔

اودھ، بالخصوص لکھنؤ کے سر یہ سہرا ہے کہ اس کے مشاہیر میں، میر ضمیرؔ اور میر خلیقؔ نے مرثیے کی صنف کو ایک ایسی بنیاد فراہم کی جس پر انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیے کی موجودہ مستحکم اور منظم عمارت تعمیر کی اور اس عمارت کے لوح پر انیسؔ نے اپنا تشخص یوں کندہ کر دیا ؎

اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح جدا علاسا نہ ہوگا کوئی اعلا مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح عمِ ذی قدر، ثنا خوانوں میں یکتا مداح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ مرثیے کے حوالے سے، دبستانِ لکھنؤ کے بانی اور موجد بھی کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں مشاہیر نے اردو زبان اور اس کے اظہار کو ایک طرز دیا اور شعوری طور پر اردو کی نئی قواعد مرتب کی۔ دبیرؔ نے خاص طور پر مرثیوں میں صنائع کا التزام کیا۔ غیر منقوطہ صنعت میں مرثیے کہہ کر اپنی استادی کا سکّہ قائم کیا۔ دبیرؔ کا یہ بند ملاحظہ ہو ؎

سرگرمِ مدح ہو کہ ارم اسکا ہوصلا حاصل مدادِ مردمکِ حورگر دلا
لوحِ طلا وحمرۂ مہرِ سما کولا اور ہو کمالِ کلک گہر سلک کام کا
وہ مدح ہو کہ صلِّ علیٰ دور دور ہو
وہ واہ واہ ہو کہ ہر اک کو سرور ہو

شمالی ہندوستان کے دبستانِ لکھنؤ سے متعلق میر خلیقؔ سے میر انیسؔ تک اور خاص طور پر مرثیہ نگاری کے حوالے سے چھنولال دلگیرؔ سے مرزا دبیرؔ تک گذشتہ دو صدیوں سے مسلسل لکھا جاتا آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لکھنؤ کے ان مرثیہ نگاروں نے صرف مرثیہ ہی نہیں کہے بلکہ مرثیے کے تعلق سے شعری اصول بھی مرتب کیے ہیں۔ مثلاً انیسؔ کہتے ہیں:

روز مرّہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہ ہی لب و لہجہ وہ ہی سارا ہو متانت ہو وہ ہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے، صنعت ہو وہ ہی یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہ ہی
لفظ بھی چُست ہوں مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

انیسؔ و دبیرؔ کے معاصرین اور تلامذہ میں جلیسؔ، نفیسؔ، سلیسؔ، انسؔ، وحیدؔ، عروجؔ، مرزا اوجؔ، میر عشقؔ، تعشقؔ، نواب واجد علی شاہ اخترؔ، رشیدؔ،

شدیدؔ، وغیرہ نے اردو مرثیہ نگاری کی آبیاری میں جو کارنامے انجام دیئے ان پر مجموعی اردو ادب فخر کرتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی ان مذکورہ شعراء کے کلام سے مزین رہی ہے۔ اس حقیقت کا زمانوں کو اعتراف ہے کہ اردو مرثیہ گوئی کا مستحکم اور محترم مرکز لکھنؤ ہی رہا ہے۔ شمالی ہندوستان کے اس دبستان پر پورے جہان کو ناز ہے۔

بیسویں صدی میں مرثیہ گوئی کے حوالے سے اسی خطۂ ادب کی ایک انقلابی اور گرجتی ہوئی آواز کا ایک نام جوشؔ ملیح آبادی ہے جو جدید مرثیہ نگاری میں ایک ستون کی حیثیت سے سامنے آئے اور مرثیہ کو' آوازۂ حق' کا روپ دے دیا۔ جوشؔ نے سماجی رویوں کے زیرِ اثر موضوعات میں فکری تبدیلیاں کیں اور پہلی بار مرثیے میں ابواب قائم کرنے کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے بینیہ اور بُکائیہ کی فضا میں کمی پیدا کی۔ جوش کی مرثیہ نگاری پر بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لیے مزید کچھ لکھنا بے محل ہے۔ جوشؔ کی مرثیہ نگاری سے وابستگی ان کے اس بند میں ملاحظہ ہو ؎

ایک روز ہوا شوق میرے دل میں یہ پیدا اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور و یکتا
حالات بھی کچھ ان کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو پلٹا
فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسینؑ ابنِ علی تھا

اودھ سے متعلق دوسرے مرثیہ نگاروں میں آلِ رضا رضاؔ، چکبستؔ لکھنوی، محمد علی محبؔ، مہذبؔ لکھنوی، عالمؔ لکھنوی، مودبؔ لکھنوی، اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی، ناصرؔ لکھنوی، گوپی ناتھ امنؔ، خبیرؔ لکھنوی، جعفر علی خاں اثرؔ، مضطرؔ جونپوری، گوہرؔ دیبری، شیونرائن سیتاپوری اور طیبؔ کاظمی کے علاوہ یوپی کے قابلِ ذکر مرثیہ نگاروں میں امیدؔ فاضلی، بانوؔ سید پوری، روپؔ کماری، مہدی نظمیؔ، علیؔ سردار جعفری، قمر جلالوی، وحید اختر اور پیامؔ اعظمی کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہاں کے سب سے پہلے مرثیہ نگار کی حیثیت سے آلِ رضا رضاؔ کا نام ابھرا، بعد کو جوشؔ ملیح آبادی، نجمؔ آفندی اور نسیمؔ امروہوی نے ہندوستان سے جا کر اردو مرثیے کی بساط پاکستان میں بچھائی، ان حضرات سے متاثر ہو کر فیض احمد فیض اور فیض بھرت پوری نے نئی تخلیقی فضا ہموار کی۔ یاورؔ عباس اور ساحرؔ اجتہادی کے علاوہ صباؔ اکبر آبادی، سردارؔ نقوی عارفؔ امام، وحیدؔ، ظہور جارچوی، امیدؔ فاضلی اور جمیلؔ نقوی کے مراثی سامنے آتے رہے۔ ۱۹۷۵ء کے بعد ابھرنے والے نمایاں ناموں میں سید محمدؔ جعفری، عارفؔ امام، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، شاعرؔ حسین شاعرؔ، ریحانؔ اعظمی اور ڈاکٹر ندیمؔ نقوی قابلِ ذکر مرثیہ نگار ہیں۔ قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان میں تحت اللفظ خوانی کے طور پر مرثیے کو کافی فروغ ہوا ہے۔ اکیسویں صدی میں الیکٹرانک میڈیا کی سہولت کے سبب اب ہندوستان اور پاکستان کے مرثیہ شائقین کے لیے سات سمندر پار کنیڈا میں ایک emarsiya.com کے نام سے website بھی بنا دی گئی ہے جس میں دنیا بھر کے اہم مرثیہ نگاروں کا تعارف اور کلام بھی موجود ہے، بلا مبالغہ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔

بہر حال شمالی ہندوستان میں مرثیے کو عروج دینے کا سہرا روہیل کھنڈ کے خطے کے سر جاتا ہے۔ روہیل کھنڈ، صوبۂ اتر پردیش کا مغربی حصہ ہے جس میں صوبے کے نو اضلاع، بریلی، مرادآباد، امروہہ، سنبھل، شاہ جہاں پور، بجنور، بدایوں، پیلی بھیت اور رام پور آتے ہیں۔ یہاں ہر ضلع سے متعلق اہم مرثیہ نگاروں کا ہی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

روہیل کھنڈ سے متعلق اضلاع میں سب سے زیادہ مرثیہ نگاروں کی تعداد امروہہ میں رہی ہے تاریخ شاہد ہے کہ شمالی ہند کا سب سے پہلا مرثیہ نگار شاعر میر سید اسماعیلؔ امروہوی (۱۶۴۴ء-۱۷۱۱ء) ہے۔ یہ اس دور کا شاعر ہے جس دور میں اردو شعراء کے تذکرے بھی نہیں لکھے گئے تھے۔ اسماعیلؔ امروہوی، امروہہ کی سادات سے تھے جن کا تعلق عالم گیر کے دربار سے بھی تھا۔ ان کے معاصرین میں افضل پانی پتی اور حاجی نوشاہ کے نام بھی ابتدائی اردو تاریخ میں نہایت اہم ہیں۔ ولیؔ دکنی اور جعفرؔ زٹلی جنھیں اردو کا پہلا شاعر اور پہلا مزاح نگار مانا گیا ہے، یہ سب اسماعیل کے بعد سامنے آئے ہیں۔ معروف تاریخ داں مسعود حسن رضوی ادیب نے دیوانِ فائز دہلوی میں لکھا ہے:

''میر اسماعیل امروہوی شمالی ہند کے تمام اولین شعراء کی باہمی اہم رشتوں اور کڑیوں کو ملانے والے شاعر تھے۔'' (بحوالہ بیسویں صدی میں اردو مرثیہ۔ صفحہ ۳۰۴)

اسمٰعیلؔ امروہوی نے مثنوی کی فورم میں پہلا مرثیہ 'وفات نامہ بی بی فاطمہؑ' نظم کیا جو اس دور کی قدیم اردو کی بھی مثال ہے۔ اسمٰعیل کے مرثیے 'وفات بی بی فاطمہؑ' کے سلسلے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لکھا ہے 'کہ ۱۳۱۹ء۔ اشعار پر مشتمل، مرثیے کی صورت میں اسمٰعیل امروہوی کی یہ قدیم ترین اردو مثنوی ہے۔ اسماعیلؔ کے بعد دوسرے اہم اور تاریخ ساز مرثیہ نگار میر تقی میرؔ کے استاد سعادت امروہوی ہیں۔ سعادتؔ امروہوی کی ولادت امروہہ میں ہوئی۔ آپ علم وفنون میں یکتائے روزگار تھے 'نکات الشعراء' میں میر تقی میرؔ نے سعادت کی رہنمائی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

سعادت علی سے ملاقات ہوئی۔ یہ امروہے کے سید تھے۔ ان بزرگ نے یہ مشورہ دیا کہ میں ریختہ (اردو غزل) موزوں کروں۔ ریختہ فارسی شعر کی طرح موسوم بہ اردوئے معلّٰی ایک طرزِ شعر ہے۔ میر سعادت علی امروہوی، سلیم الطبع، متواضع اور کم سخن تھے۔ (نکات الشعراء صفحہ ۵۸)

سعادت امروہوی کے اہم معاصر جعفر نذر جعفریؔ امروہوی نے بھی اردو مرثیے کو عروج دینے میں اہم رول ادا کیا۔ جعفری، ولیؔ دکنی کے شاگرد تھے۔ عشرہء محرم کے دوران امروہہ کے سوزخوان جعفریؔ امروہوی کے ان مرثیوں کو ۲۰۰ برس سے پڑھتے آرہے ہیں۔ جعفریؔ امروہوی کے مرثیے مسدس کی ہیئت میں ہیں جو بہر حال سوداؔ کے طرز سے پہلے کے ہیں

اصغرؑ جو رن میں موت کے مہمان ہو چکے — پیکان کھا کے شاہؑ پہ قربان ہو چکے
بے شیر تین روز کے بے جان ہو چکے — بانوؑ پکاری لو مرے نادان ہو چکے

گھر فاطمہؑ کے لال کا سنسان کر گئے
اصغرؑ ہماری گود کو ویران کر گئے

سعادتؔ امروہوی اور جعفریؔ امروہوی کے بعد کے نامور مرثیہ نگار سعادت کے ہی فرزند نجابتؔ علی نجابت ہیں مرثیہ نگاری آپکو باپ سے ورثے میں ملی تھی۔نجابتؔ امروہوی کے تمام مرثیے مسدس کی ہیئت میں ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں جو مرثیے کہے گئے وہ ابتدائی اردو شعر وادب کی تفسیر بھی ہیں اور تصویر بھی۔اس زمانے میں اردو کو ابھی اردو نام نہیں ملا تھا۔اپنے اپنے علاقے کی زبان ان مرثیوں میں نمایاں ہوتی تھی جسے آگے چل کر ۱۷۸۰ء میں مصحفیؔ امروہوی نے 'اردو' کا نام دیا۔اردو مرثیے کے تعلق سے غلام ہمدانی مصحفیؔ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔طبقات الشعراء، بزمِ سخن، طورِ کلیم، نغمۂ عندلیب، نکات الشعراء، ریاض الفصحا اور آبِ حیات جیسی معرکتہ الآرا ادب کی تاریخی کتابیں مصحفی کے نام اور کام سے مزین ہیں۔رام بابو سکسینہ نے 'تاریخِ ادبِ اردو' میں لکھا ہے:

> مصحفی مسلم الثبوت جگت استاد تھے اور بڑے بڑے استادان کے دامنِ تلمذ سے وابستہ تھے۔مثلاً میر خلیق، میر ضمیرؔ، آتشؔ، شہیدیؔ اور عیشیؔ وغیرہ جتنے اساتذۂ سخن مصحفیؔ کے شاگردوں میں نکلے اتنے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔(تاریخِ ادبِ اردو صفحہ ۱۹۸)

مصحفیؔ کے بعد شمالی ہند سے اردو مرثیہ نگاری میں جو بڑا نام ابھرا وہ بلا مبالغہ سید جواد حسین شمیمؔ امروہوی (۱۹۱۳ء۔۱۸۳۸ء) کا ہے۔آپ سرسید احمد خان، مولانا حالیؔ، محمد حسین آزادؔ کے معاصر تھے۔شمیمؔ امروہوی کی مرثیہ نگاری کا اعتراف کرتے ہوئے میر انیسؔ کے بھائی میر نفیسؔ نے جو تاریخ کہی تھی اس کا ایک مصرعہ ہے: کلامِ شمیمؔ سخن آرا است (۱۸۵۴ء)

شمیمؔ امروہوی نے ستّر سے زیادہ مرثیے کہے ہیں۔معروف محقق پروفیسر ممتاز حسین کے لفظوں میں:

حقیقت یہ ہے کہ شمیمؔ کے مرثیے زورِ بیان، حسنِ ادا، جدتِ خیالات، ندرت، تشبیہات اور محاسنِ لفظی و معنوی اور سب سے بڑھ کر مرثیت کے اعتبار سے کسی باکمال مرثیہ نگار کے شاہ کار سے کم نہیں۔

شمیمؔ امروہوی کے مرثیے علمِ عروض، صرف ونحو، زبان و بیان، محاورہ بندی، نظامِ حرف ولفظ غرض جملہ فنی خوبیوں کی مثال ہیں۔کہیں کہیں شمیم اپنی جودتِ فکر کی بنیاد پر انیسؔ و دبیرؔ سے بھی سبقت لے گئے ہیں:

مصدر کو چھوڑ چھوڑ کے مشتق ہوا ہوئے فاعل کو فکر یہ ہے کہ افعال کیا ہوئے
لفظوں سے حرف، حرف سے معنی جدا ہوئے آئے جو یہ کلام میں ، کلمہ فنا ہوئے
یہ بھی نہ کچھ کھُلا کِدھر آیا کِدھر گیا
آخر ہوا یہ حال کہ ماضی گُزر گیا

شمیمؔ امروہوی کے بعد بیسویں صدی میں جدید مرثیہ نگاری کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہاں جو سب سے بڑا نام مرثیے کی تاریخ میں ابھرتا ہے وہ بلا مبالغہ نسیمؔ امروہوی (۱۹۸۶ء۔۱۹۰۸ء) کا ہے۔ نسیمؔ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ جدید اردو مرثیہ نگاری کے بانیان میں شامل ہیں۔ مرثیے کے محققین بشمول جوشؔ ملیح آبادی نے ایک آواز ہو کر نسیمؔ امروہوی کو 'جدید مرثیے کا سربراہ' تسلیم کیا ہے۔ عظیمؔ امروہوی نے لکھا ہے:

''نسیم امروہوی نے جتنے مرثیے کہے ان میں کچھ مراثی نسیمؔ جلد اول اور جلد دو میں شامل ہیں (تقریباً ۲۵۰)

اس کے علاوہ تقریباً ۱۵ مرثیے ایک ایک دو دو ہو کر شائع ہوئے۔ غیر مطبوعہ مراثی کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔''

ہندو پاک میں اپنا مقام بنانے والے کتنے ہی مرثیہ نگاروں مثلاً ڈاکٹر سردارؔ نقوی، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، جمیلؔ نقوی، عروجؔ بجنوری، خمارؔ فاروقی، ثمرؔ بدایونی، عاشقؔ کیرانوی، قسیمؔ بن نسیم، ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی، عاصیؔ کرنالی، اصغرؔ سرسوی، ڈاکٹر ناشرؔ نقوی وغیرہ نے نسیمؔ امروہوی سے کسبِ فیض کیا ہے۔

نسیمؔ امروہوی کے مرثیوں میں عقیدت سے زیادہ حقیقت نمایاں ہے۔ آپ نے ممدوح کے کردار کو اصلاحِ معاشرت کا وسیلہ بنایا ہے۔ یہ وہ انفرادیت ہے جو نسیمؔ کو دوسرے مرثیہ نگاروں سے ممتاز بناتی ہے۔ مثلاً دختر کشی جیسے عالمی مسئلے کو موضوع بنا کے نسیمؔ امروہوی نے جو مرثیہ کہا وہ فرشِ عزا سے اٹھ کر صفِ توجہ میں آ گیا۔ ان کے مرثیے ادب برائے زندگی کی بہترین مثال ہیں۔

اگر پسر کی ہے شادی بہ فضلِ ربانی ضیافتوں میں یہ کرتے ہیں اپنی قربانی
خوشی کے جوش میں ہوتی ہے ایسی مہمانی کہ جس کے بعد نہ کنبے کو مِل سکے پانی
تباہ ہو کے بھی برباد کُن ، عمل نہ گئے
اگرچہ جل گئی رسّی تمام، بل نہ گئے

بیسویں صدی میں رام پور کے حوالے سے مولانا اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی (۱۹۵۷ء۔۱۸۸۹ء) کا نام بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ خاندانِ اجتہاد کے فرد تھے۔ آپ کو دربارِ رام پور سے 'لسان الواعظین' کا خطاب ملا تھا۔ شاعرؔ لکھنوی کے فرزند مہدی نظمیؔ بھی ادبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ مہدی نظمیؔ (۱۹۸۵ء۔ ۱۹۲۳ء) جدید اردو مرثیے کی آبیاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ آپ کو شاعرِ ہندوستان اور انیس العصر کے خطابوں سے بھی یاد کیا جاتا رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ کا آبائی تعلق لکھنؤ سے تھا لیکن آپ کی شاعری اور شخصیت دونوں رام پور کی مرہونِ منت رہی ہے۔ مہدی نظمیؔ ہمہ گیر شاعر تھے۔ نمونہء کلام کے طور پر ایک بند ملاحظہ ہو

عروسِ صبح چمن کی بہار آرائی شفق کے تخت پہ سورج کی جلوہ فرمائی
نشیلی ، منچلی ، مخمور ، مست پُروائی کہ جیسے رات کی جاگی دولہن کی انگڑائی
وہ دھوپ ، رنگ میں سرسوں کا پھول ہو جیسے
وہ روشنی ، کہ ضمیرِ رسولؐ ہو جیسے

ان کے علاوہ حرمتؔ رام پوری، صوفیؔ رام پوری، نجابتؔ علی اور دوا کر راہیؔ کی مرثیہ نگاری کا کریڈٹ بھی رام پور کو جاتا ہے دوا کر راہیؔ کا

مشہور شعر ہے:

وقارِ خونِ شہیدان کربلا کی قسم یزید مورچا جیتا ہے جنگ ہارا ہے

بریلی کے جعفر علی حسرتؔ، زائرؔ بریلوی اور صفی حیدر دانشؔ ایسے نام ہیں جن کے ذکر کے بغیر بریلی کی ادبی تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔ سیتھل (بریلی) کے قمر سیتھلی اور صریرؔ سیتھلی کا نام بھی اہم ہے۔ صریر کا ایک مطبوعہ مرثیہ بعنوان 'اتحاد' میری نظر سے گزرا ہے جو ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔

بجنور میں کچھ مرثیہ نگار ضرور پیدا ہوئے جن میں شائق زیدی، عروج بجنوری اور راز بجنوری کے نام سامنے آتے ہیں۔ بہر حال انیسویں صدی کے حوالے سے بجنور کے ایک اہم مرثیہ نگار قائمؔ چاند پوری ہوئے ہیں جن کا اردو کی ابتدائی تاریخ میں اہم نام ہے۔ سنبھل ضلع کے مرثیہ نگاروں میں مجرؔ سنبھلی، سرورؔ سنبھلی، نظیرؔ باقری، نسیمؔ الظفر اور کیفیؔ سنبھلی ضرور ایسے شاعر ہیں جنھوں نے مرثیہ نگاری میں خدمات انجام دی ہیں اور ان کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔۔

مرثیہ گو شاعرات میں مدینہؔ خاتون مدینہ، دیوی روپؔ کمار اور بانوؔ سید پوری کے نام کافی شہرت یافتہ رہے ہیں اسی طرح غیر مسلم اردو مرثیہ نگاروں میں چھنولال دلگیرؔ، دلّو رام کوثریؔ مہاراجہ کشن پرشاد اور گوپی ناتھ امنؔ بھی قابلِ ذکر مرثیہ نگار رہے ہیں۔

پنجاب کے حوالے سے اردو مرثیہ نگاری میں جو نام اجاگر ہوئے ان میں وحیدؔ ہاشمی، فیضؔ احمد فیض، عاصیؔ کرنالی اور امیدؔ فاضلی قابلِ ذکر ہیں۔ شمالی ہندوستان کے تعلق سے یوں تو اردو مرثیہ نگاروں کے بہت سے تذکرے چھپ چکے ہیں لیکن صرف تذکروں میں شامل ہونے سے کسی صنف کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاسکتا۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اردو مرثیہ نگاری میں جو معیار و وقار انیسؔ و دبیرؔ نے قائم کر دیا سنگِ میل ہے۔ اس میل سے آگے کوئی نیا سنگِ میل ابھی بننے کے عمل میں ہے۔ جو شاید مستقبل میں قائم ہو ہی جائے گا۔ موجودہ دور کے جن نئے ہندوستانی مرثیہ نگاروں سے امیدیں وابستہ ہیں ان میں ای مرثیہ ویب سائٹ پر تو کافی نام ہیں لیکن بلالؔ کاظمی اور ڈاکٹر عباس رضانیرؔ کے نام نئے مرثیے کے مستقبل میں امید کی کرن ضرور کہے جاسکتے ہیں۔

نمائندہ اردو مرثیہ نگاروں کا تعارف

میر انیسؔ

میر ببر علی انیسؔ ۱۸۰۳ء میں فیض آباد یوپی میں پیدا ہوئے۔ انیسؔ کے جدِ امجد میر اِمامی ایران سے دہلی آئے تھے۔ ان کے دادا، میر حسنؔ، دہلی سے فیض آباد چلے گئے۔ اور انیسؔ نے ہوش و خرد کی منزل تک آتے آتے لکھنؤ کی بود و باش اختیار کر لی۔ آپ کے والد میر خلیقؔ بھی استاد شاعر تھے۔ میر انیسؔ نے شاعری کی جملہ اصناف کے حسن کو خوبصورت اور مؤثر زبان و بیان سے آتشہ در آتشہ کر کے اردو مرثیہ نگاری کو وہ عروج دیا کہ جس کا ثانی نہ اُن سے پہلے کوئی ہو سکا اور نہ اُن کے بعد ہو سکے گا۔ اپنی شاعری کے سلسلے میں اگر انیسؔ نے یہ دعویٰ کیا تو اُسے مبالغہ کیوں کہیں، حقیقت تو یہی ہے:

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری

دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے والے میر انیسؔ کا ابتدائی تخلص حزیںؔ تھا۔لکھنؤ آ کر ابتدا میں ناسخؔ کی شاگردی قبول کی۔ناسخؔ نے ہی انہیں انیسؔ تخلص دیا۔انیسؔ نے اعلیٰ اور سنجیدہ غزل کو فصیح اور بلیغ انداز سے پیش کر کے دبستانِ لکھنؤ کی شناخت کو چار چاند لگائے۔انیسؔ عمومی روشِ فکرِ سخن کی طرف کبھی مائل نہیں ہوئے۔موضوع اور زبان و بیان میں تازگی اور شگفتگی ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔شبلی نعمانی نے 'موازنہ انیسؔ و دبیرؔ' میں، امیر احمد علوی نے 'یادگارِ انیسؔ' میں، مسعود حسن رضوی نے 'روحِ انیسؔ' میں، عمر انصاری نے 'طورِ سینا' میں، مجیب رضوی نے 'میر انیسؔ اور تلسی داسؔ' میں، شارب رودولوی نے 'انیسؔ کے مرثیوں کا سماجی مطالعہ' میں اور بے شمار محققین نے اپنی عمیق تحقیق سے انیسؔ کی زبان سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ؎

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

اٹھارہ برس کی عمر میں انیسؔ نے پہلا مرثیہ جو بہتر بند پر مشتمل تھا کہا۔اور استادانِ سخن سے داد حاصل کی۔انیسؔ نے بہتّر برس کی مجموعی عمر میں پچپن برس اردو شعر و سخن کی خدمت میں گزارے اور دو لاکھ اشعار کا اثاثہ چھوڑا۔جن میں ایک ہزار سے زیادہ مرثیے بھی شامل ہیں۔اتنا بڑا اثاثہ چھوڑنے والا اگر یہ دعویٰ کرے تو کیا غلط ہے ؎

نظم ہے یا ہیں درِ شہسوار کی لڑیاں انیسؔ جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

میر انیسؔ شاعری میں لفظ و معنی سے وہ کام لیتے رہے جو مصور رنگوں سے اور موسیقار موسیقی سے لیتا ہے۔وہ بزم و رزم دونوں کے ماہر تھے۔رزم کی منظر نگاری میں لڑائی کی تیاریاں، معرکہ کا شور، ہنگامہ خیزی، ہلچل، نقاروں کی گونج، ٹاپوں کی آواز، ہتھیاروں کی جھنکار، تلواروں کی چمک، نیزوں کی لچک، کمانوں کی کڑک، نقاروں کی چوب وغیرہ وغیرہ بیان کر کے انیسؔ معرکۂ جنگ کا سماں باندھ دیتے ہیں۔بہادروں کا میدان میں آنا، رجز پڑھنا، لڑائی کے داؤ پیچ دکھانا، اسلحۂ جنگ کی تصویر کھینچنا، پھر فتح و شکست کا بیان کرنا اور ان سب کے نتیجے میں اداسی اور غم کا سماں باندھنا، تصور کی اسکرین پر پیکر بن جاتا ہے۔اس زاویے سے دیکھا جائے تو انیسؔ کی شاعری سنائی دینے کے ساتھ ساتھ دکھائی بھی دیتی ہے۔اپنے مرثیوں میں جب میر انیسؔ عرب کے کرداروں اور رشتوں کو پیش کرتے ہیں تو انہیں ہندوستانی معاشرت میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔جب کربلا کی فرات ندی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سامنے لکھنؤ کی گومتی ہوتی ہے۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ انیسؔ نے اپنی شاعری سے اپنی ہندوستانیت کو بھی فروغ دیا ہے۔

انیسؔ نے پہلا مرثیہ ۱۸۲۱ء میں کہا۔یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان خود کو آزادی کے لیے تیار کر رہا تھا۔آزادی اور حریت کا جذبہ ہندوستانیوں کے دلوں میں موجزن تھا۔ایسے ماحول میں مذہبی مجلسوں کے حوالے سے انیس نے اقوام کو Indirectly حریت کی تحریک دی۔جس کا ثبوت ان کے ایسے مرثیوں سے ملتا ہے۔

بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُرؑ ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُرؑ

نارِ دوزخ سے ابوذرؓ کی طرح حُر تھا حُرؓ گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُرؓ
ڈھونڈ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

انیسؔ کے مرثیوں میں تصورِ حریت کے ساتھ ساتھ درس اخلاق کی بہترین مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔مرثیے کے کرداروں میں رشتوں کی تقدیس بھی ہے۔اور فلسفۂ حیات بھی۔انسانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش انیسؔ کی شاعری کا طرہِ امتیاز تھا۔جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انیسؔ کے یہاں مصوری کا ادراک بے حد نمایاں ہے۔مثال کے طور پر ایک مرثیے میں گرمی کی شدت کو یوں بیان کرتے ہیں:

وہ لُو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا
آبِ رواں سے منھ نہ اُٹھاتے تھے جانور جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم بھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

گرمی کی شدت کا اس شدت سے بیان اور اس میں مبالغہ کی شان انیسؔ کی انفرادی پہچان ہے انھوں نے جہاں شاعری سے مصوری کا کام لیا ہے وہاں مناظر قدرت کو بھی بے حس وحرکت تصویروں کے دائرے میں سمیٹا ہے۔صبح کا منظر اس مرثیے میں یوں پیش کرتے ہیں:

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

انیسؔ کے مرثیے کی روایت دوسو برس گزر جانے کے بعد بھی زندۂ جاوید روایت ہے۔اردو ہی نہیں بلکہ دنیائے ادب میں انیسؔ وہ واحد شاعر ہیں جن کا کلام سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔جس کا ثبوت ہندوستان میں محرم سے وابستہ بہتّر دن تک چلنے والی مجلسیں ہیں۔ان مجلسوں میں تحت خوانی کے طور پر،سوز خوانی کے طور پر اور سلام ومنقبت کے طور پر انیسؔ کی شاعری فضاؤں میں گونجتی رہتی ہے۔مرثیہ نگاری سے ہٹ کر جب ہم انیسؔ کے فکر وفن کو رباعی میں دیکھتے ہیں تو اس فن میں بھی انیسؔ کا کوئی بدل نظر نہیں آتا۔فلسفۂ حیات وکائنات کو اپنی رباعیوں میں خوبی کے ساتھ انیسؔ نے پیش کیا ہے۔

میر انیسؔ نے ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء میں اس دنیا کی سرائے فانی کو خیر آباد کہہ کر اپنی قبر کو آباد کیا۔ان کا مزار لکھنؤ میں ہے۔جس لوح پر ان کے ہی ہم عصر مرزا دبیرؔ کا یہ تاریخی شعر نقش ہے:

آسماں بے ماہِ کامل سدرا بے روح الامینؑ طورِ سینا بے کلیم اللہ ، منبر بے انیسؔ

مرزا سلامت علی دبیر:

اردو زبان و ادب کی تاریخ میں مرزا سلامت علی دبیر (۱۸۷۵ء۔ ۱۸۰۳ء عیسوی) وہ تنہا شاعر ہیں جنھوں نے سب سے زیادہ اشعار کہے ہیں۔ ثابتؔ لکھنوی نے اپنی کتاب 'حیاتِ دبیرؔ' میں مرزا دبیرؔ کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ بیان کی ہے۔ دبیرؔ نے شاعری کی ہر صنف ،مثلاً غزل ،قصیدہ ،مثنوی، رباعی، تاریخ گوئی ،سلام، نوحہ، تضمین، شہرِ آشوب، مخمس، مسدس اور مرثیہ نگاری وغیرہ میں اپنے کمالِ فن کا ثبوت دیا ہے۔ مرثیے کی دنیا میں تو دبیر کو ناخدائے سخن کا درجہ حاصل ہے۔ جگ ظاہر ہے کہ مرزا دبیرؔ اپنے عہد میں یگانۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ اپنے زمانے کے مستند درسِ نظامیہ کے تحت جملہ علوم معقولہ اور منقولہ پر دسترس رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کی رائج کُتبِ درسیہ ان کے مطالعہ میں رہیں۔ بقول غالب 'مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا حق ہے دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا' اسی طرح ناسخ نے کہا تھا 'سلامت علی سا طبیعت دار خلاقِ مضامین نہ ہوا ہے نہ ہوگا'۔ مستند شعراء کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار معتبر طبقۂ علماء میں بھی ہوتا تھا۔ دینیات، تفسیر و اصولِ حدیث و فقہ کی تعلیم سے بھی بہرہ مند تھے۔ انھوں نے نثر میں 'ابواب المصائب' جیسی کتاب اس وقت لکھ دی تھی کہ جب اردو میں نثر نگاری باقاعدہ شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ شاعری میں میر ضمیرؔ لکھنوی کی شاگردی کی۔ اللہ نے دبیرؔ کو بہترین حافظے سے بھی نوازا تھا۔ مزاج میں میں بلا کی مروت، سخاوت، قناعت، متانت، غیرت، جرات، اور صداقت تھی۔

سال ۲۰۰۳ء تک دبیرؔ کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد ۱۳۹۰ اور قلمی مرثیوں کی تعداد ۲۸۵ سامنے آئی تھی جس کی بنیاد پر ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی کتاب 'انتخابِ مراثی دبیرؔ' میں دبیر کے کل مرثیوں کی تعداد ۶۷۵ رقم کی ہے۔ تقی عابدی سے پہلے ڈاکٹر کاظم علی خاں نے اپنی کتاب 'تلاشِ دبیر' میں دبیر کے ۳۹۰ مرثیوں کے مطلعوں کا اشاریہ دیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد زماں آزردہ نے اپنی تحقیقی مقالہ میں ۴۵۰ مرثیوں کا ذکر کیا ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ مرزا دبیرؔ کی زندگی میں ان کا کوئی مرثیہ نہیں چھپا تھا البتہ کچھ مرثیوں کے کتابت شدہ نسخے ضرور تیار ہو گئے تھے۔

۱۸۷۵ء میں جب دبیرؔ کا انتقال ہوا تو اسی سال کے آخر میں لکھنو کے احمدی پریس نے 'مرثیہ مرزا دبیرؔ' کے نام سے ۶۹ مراثی دو جلدوں میں شائع کیے تھے۔ ان مرثیوں کی اشاعت کے بعد دبیرؔ فہمی کی لو اور ضو نے ایک نئی رو پیدا کی جس کے زیرِ اثر ۹۷-۱۸۹۶ء میں اسی پریس نے دبیرؔ کے مزید ۳۶۸ مرثیوں کو 'دفترِ ماتم' کے زیرِ عنوان چودہ جلدوں میں چھاپ دیا۔ گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے دبیرؔ کے کلام کی تلاش بھی جاری ہے اور اس کی پرتیں بھی کُھل رہی ہیں۔ موجودہ دور میں تحقیق کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہے ادھر مرزا دبیرؔ سے منسوب مرثیوں میں الحاقی عناصر کا عمل بھی جاری ہے۔ 'دفترِ ماتم' کے ۳۶۸ مراثی کے سامنے آنے کے بعد ڈاکٹر اکبر حیدری نے 'باقیاتِ دبیرؔ' کے عنوان سے ۲۶ مرثیے اور ڈاکٹر ہلالؔ نقوی نے ۱۹۹۵ء تک مزید ۲۵ مرثیوں سے ادب کو متعارف کرایا ہے۔ فی زمانہ ابھی مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کی تعداد کے سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ رثائی ادب میں ہونے والی کوئی نہ کوئی نئی تحقیق دبیرؔ شناسی کا کائی نہ کوئی نیا روشن دان کھول ہی دیتی ہے۔ موجودہ ٹکنالوجی کے ترقیاتی زمانے میں آن لائن ویب سائٹ emarsiya.com کو کلک کریں تو مرزا دبیرؔ کے ۴۶۲ مراثی کبھی بھی اور کہیں بھی بیٹھ کر پڑھے جا سکتے ہیں جن کی روشنی میں اردو کے حروفِ تہجی کے مطابق میں نے التزامی ترتیب اس طرح دی ہے۔ حرفِ الف سے جن مرثیوں کا آغاز ہے ان کی تعداد ۸۳ ہے، ب سے شروع ہونے والے مرثیے ۱۶ ہیں پھر اسی تسلسل میں پ سے ۱۰، ت سے ۱۰، ث سے ۱، ج سے ۱۲۹، چ سے ۲، ح سے ۵، د سے ۱۰، ر سے ۱۳، س سے ۱۲، ش سے ۱۶، ص سے ۳، غ سے ۷، ف سے ۷، ق سے ۸، ک سے ۴۹،

گ سے ۵، ل سے ۲، م سے ۲۴، ن سے ۳، و سے ۷ اور ی سے ۱۴ مرثیے موجود ہیں۔

مرزا دبیرؔ وہ پہلے مرثیہ گو ہیں جنھوں نے اپنے کمالِ سخن کی بدولت مرثیے کے شاعر کو اول درجے کا شاعر تسلیم کرایا اور مرثیے کو ادبِ عالیہ کا جزو بنایا۔ اپنے مرثیوں میں دبیرؔ نے زبان و بیان کے جوہر دکھاتے ہوئے الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات اور مضمون میں بیانیہ کی جمالیات سے کام لیا ہے۔ مرزا دبیرؔ کے یہاں علم و فضل، فنی مہارت اور زبان دانی کے جوہر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں ان فنی خوبیوں کی وجہ سے دبیرؔ کو ادق شاعر بھی کہا گیا ہے۔ مثلاً ایک مرثیے کا یہ بند ملاحظہ ہو:

گلگونۂ شفق جو مَلا حورِ صبح نے — اسپند مشکِ شب کو کیا نورِ صبح نے
گرمی دکھائی ، روشنیٔ طورِ صبح نے — ٹھنڈے چراغ کو دیئے کافورِ صبح نے
لیلائے شب کے حسن کی دولت جو لُٹ گئی
افشاں جبیں سے نظمِ درخشاں کے چھٹ گئی

ایک ادق اور فلسفی شاعر ہونے کے باوجود دبیرؔ نے اپنی سہل پسندی اور رزم نگاری کے جوہر بیش تر مرثیوں میں دکھاتے رہے ہیں، مثلاً تلوار کی تعریف میں ایک جگہ کہتے ہیں:

یاں سب کو تھا یقیں کہ وہاں تھی، وہیں نہ تھی — واں اتفاق تھا کہ، یہاں تھی یہیں نہ تھی
ہر جا تھی، اور جو پوچھو، کہاں تھی کہیں نہ تھی — لاکھوں کو قتل کرنے کو، ہاں تھی، نہیں نہ تھی
اُس برقِ ذوالفقار کے جلوے کہاں نہ تھے
واں تھی جہاں زمین نہ تھی ، آسماں نہ تھے

دبیرؔ کا ایک مرثیہ انتہائی سلیس زبان میں ہے جس کا مطلع ہے 'ماں سے اصغر وداع ہوتے ہیں' اس میں دبیرؔ نے اپنی ادق گوئی کے تصور کو بھی توڑا ہے اور سہل ممتنع کے ساتھ ساتھ عورتوں کے نفسیات اور لہجے کا استعمال کرتے ہوئے طرزِ بیان کے جدید نکات سے بھی ہم آہنگ کیا ہے۔ مرزا دبیرؔ اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنھوں نے علمِ بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کا سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔ مجموعی مرثیہ نگاری میں دبیرؔ کا یہ وہ مرثیہ ہے جو تصوراتی نظام کے ساتھ بحرِ خفیف مسدس یعنی 'فاعلاتن مفاعلن فعلن' کی تختی پر ہے۔ مرثیے میں مقامی بول چال کا دبیرؔ نے خاص خیال رکھا مثلاً، کہیو، لیجیو، جی کا اچھا ہونا، ہر گھڑی، پہروں، میرے بچے، مینھ برستا، منھ لپیٹے، آ بنی، پیٹ، واری وغیرہ الفاظ کا استعمال سہل بیانی کی مثالیں ہیں۔ مرزا دبیرؔ نے سہلِ ممتنع کے ساتھ ساتھ دوسرا التزام مرثیوں میں بے ساختہ اور با محاورہ مصرعوں کو نظم کر کے کیا ہے مثلاً:

☆ گھر میں آنا خدا نصیب کرے — ☆ جی تو اچھا ہے پوچھنا اصغرؑ
☆ خاک ہے ایسی زندگانی پر — ☆ سارا گھر تم کو یاد کرتا ہے

❁❁❁❁

گلاب

مرثیہ در حال حضرت علی اصغرؑ

پروفیسر عباس رضا نیرؔ

قلم کی شاخ پہ یارب کھلا سخن کے گلاب (۱) نواز دے مرے دامن کو فکر و فن کے گلاب
اسی لیے تو ہیں شاداب سب چمن کے گلاب کہ ہیں ازل سے نمک خوار پنجتنؑ کے گلاب
جو مانگتے ہیں بہرحال ٹھیک مانگتے ہیں
گلاب سب علی اصغرؑ سے بھیک مانگتے ہیں

اُگا زمیں پہ بہ فیضِ ابوترابؑ گلاب (۲) الگ ہی رکھتا ہے چہرے پہ آب و تاب گلاب
ہے بارگاہِ حسینؑ میں باریاب گلاب چمن میں پھول بہت ہیں مگر گلاب، گلاب
گلاب اس لیے پھولوں کا شاہزادہ ہے
گلِ ربابؑ کی اس پر عطا زیادہ ہے

ہے آپ اپنی شریعت کا پاسبان گلاب (۳) سویرا ہوتے ہی دیتا ہے خود اذان گلاب
بلندیوں پہ بناتا ہے سائبان گلاب الگ ہی رکھتا ہے ہر آن بان شان گلاب
جھلاتی ہیں جو ہوائیں گلاب کا جُھولا
ہے یہ بھی اصل میں جانِ ربابؑ کا جُھولا

ہے خادمِ درِ سلطانِ مشرقین گلاب (۴) سمجھتا ہے غمِ سرورؑ کو فرضِ عین گلاب
یہاں پہ ٹوٹ کے پاتا ہے کتنا چین گلاب ہے وقف بہرِ عزاداریٔ حسینؑ گلاب
گلاب کو یہیں حق کا شگون ملتا ہے
امام باڑے میں آکر سکون ملتا ہے

ہے یاد کعبہ کے نزدیک وہ جمیل گلاب (۵) سلگتے بن میں چلے چھوڑ کر خلیل گلاب
جھلستی ریگ پہ تھا عشق کی دلیل گلاب عطش میں کر ہی گیا پانی کی سبیل گلاب
گلاب مامتا کا دل سنبھال سکتا ہے
رگڑ کے ایڑیاں زمزم نکال سکتا ہے

ردائے نیل پہ ننھا سا وہ حسین گلاب (۶) شبِ ستم میں بنا صبح کا یقین گلاب
ہوا سکینہ کے تابوت کا مکین گلاب خزاں نے پالا ہے موسیٰؑ سا دل نشین گلاب
تمام سازشیں ابلیسیت کی دھوکے گیا
گلاب آب میں فرعون کو ڈبوکے گیا

خدا کے گھر میں بنا کر کواڑ آیا گلاب (۷) محل کے جھولے میں اژدر کو پھاڑ آیا گلاب
طمانچہ جڑ کے رخِ شر بگاڑ آیا گلاب علَم وفاؤں کا پتھر پہ گاڑ آیا گلاب
یہ سوکے خطروں میں خود کو نبیؐ بتاتا ہے
گلاب مرضیٔ خالق خرید لاتا ہے

عقیدتوں کے سلیقے گلاب سے پوچھو (۸) سکونِ دل کے وثیقے گلاب سے پوچھو
جو ہیں صدی وہ دقیقے گلاب سے پوچھو زیارتوں کے طریقے گلاب سے پوچھو
رہائی ملتے ہی کانٹوں بھرے شکنجے سے
گلاب پاتے ہیں راحت علم کے پنجے سے

ہے بے مثال جو پرچم تو بے مثال گلاب (۹) جو خوش جمال ہے پٹکا تو خوش جمال گلاب
کمال کی ہے بلندی تو باکمال گلاب فرات والے جلالی کا ہے جلال گلاب
چڑھا ہے مشک پہ کس آب وتاب کا سہرا
علم پہ بول رہا ہے گلاب کا سہرا

ہیں تعزیوں پہ کہیں زیبِ شہ نشین گلاب (۱۰) کبھی تو لگتے ہیں مجلس کے سامعین گلاب
کہیں بہاتے ہیں آنکھوں سے مومنین گلاب کبھی ہیں بچوں کے ہاتھوں میں بہترین گلاب
گلاب جھولے پہ اصغرؑ کے جو چڑھاتے ہیں
وہی تو زندگیاں قوم کی بڑھاتے ہیں

گلاب میں ہے خدا کی رضاؤں کی خوشبو (۱۱) گلاب کو بھی ملی ہے شفاؤں کی خوشبو
گلاب بھی ہیں کسی کی دعاؤں کی خوشبو گلاب بانٹ رہے ہیں وفاؤں کی خوشبو
جو مجلسوں میں جلوسوں میں یہ بہاریں ہیں
ہیں ماتمی کہ گلابوں کی سب قطاریں ہیں

گلاب پاک زمیں پر اگائے جاتے ہیں (۱۲) تمام فرض ادا کرکے لائے جاتے ہیں
وفا کے پانی سے پہلے دھلائے جاتے ہیں یہ تب ضریح وعلم پر سجائے جاتے ہیں
جوارِ شاہ ہدیٰ پاکے اور کھلتے ہیں
گلاب روضوں پر مرجھاکے اور کھلتے ہیں

کوئی بھی رُت ہو گھٹیں گی نہ عظمتیں اس کی (۱۳) عطش کی دھوپ میں بڑھتی ہیں شوکتیں اس کی
تلیں گی کیا کسی کانٹے سے جرأتیں اس کی یہ زخم کھائے تو بڑھتی ہیں نکہتیں اس کی
برستے تیروں کی زد پر کہاں یہ تھکتا ہے
گلاب میں علیؑ اصغرؑ کا دل دھڑکتا ہے

جدا ہے سب سے تری ذرّیت علی اصغرؑ (۱۴) ہے تتلیوں میں تری منقبت علی اصغرؑ
ہر اک چمن ہے تری سلطنت ہے علی اصغرؑ بہار ہے کہ تری مملکت علی اصغرؑ
ہر ایک زاویے سے لاجواب ہے اصغرؑ
تمام بچے ہیں پھول اور گلاب ہے اصغرؑ

کبھی ضریحِ حسینؑ پہ سائباں ہے گلاب (۱۵) کہیں پہ ننھے سے جھولے کی کہکشاں ہے گلاب
کبھی علم کبھی پٹکے پہ ضوفشاں ہے گلاب جلوس میں سرِ دُلدُل رواں دواں ہے گلاب
ہیں برکتیں اسی برکت مآب کے نیچے
ہر اک نبیؐ ہے علم کے گلاب کے نیچے

یہ ظاہراً کوئی جاگیر بھی نہیں رکھتا (۱۶) کوئی کمان کوئی تیر بھی نہیں رکھتا
اسیر کرتا ہے زنجیر بھی نہیں رکھتا عجب سپاہی ہے شمشیر بھی نہیں رکھتا
یہ رن میں تیغ نہ نیزہ لیے اترتا ہے
گلاب کانٹوں پہ خوشبو سے وار کرتا ہے

گلاب کی یہ چمن زاریاں قیامت ہیں (۱۷) یہ دلکشی یہ وفاداریاں قیامت ہیں
غمِ حسینؑ میں تیاریاں قیامت ہیں کہ خوشبوؤں کی عزاداریاں قیامت ہیں
اسے ہر ایک پیمبر سلام کرتا ہے
گلاب شاخِ سناں پر کلام کرتا ہے

ہر ایک شہرِ شرف میں ہیں خوشبوئیں تیری (۱۸) بسی حرم کے صدف میں ہیں خوشبوئیں تیری
مدینہ اورنجف میں ہیں خوشبوئیں تیری سب انبیائے سلفؑ میں ہیں خوشبوئیں تیری
تو ورثہ دارِ رسالت مآب ہے اصغرؑ
ترے بدن کا پسینہ گلاب ہے اصغرؑ

زبانِ دل کا تبرک تری زباں اصغرؑ (۱۹) صدائے کن کا تمسک تری زباں اصغرؑ
گلاب سے بھی ہے نازک تری زباں اصغرؑ زمانہ سنتا ہے اک ٹک تری زباں اصغرؑ
جو کم سخن ہیں وہ کسبِ سخن کی تاک میں ہیں
تری زبان کے جوہر کلامِ پاک میں ہیں

الگ ہے سارے چمن سے گلاب کی خوشبو (۲۰) پئے سوال ہو جیسے جواب کی خوشبو
کہاں تراب کہاں بوترابؑ کی خوشبو خدا سے پوچھو رسالت مآب کی خوشبو
ہے اہلبیتؑ کی عظمت وہی رسولوں میں
گلاب جیسے نمایاں ہو سارے پھولوں میں

یہی گلاب پیمبرؐ کی شکل میں آیا (۲۱) یہی گلاب توحیدرؑ کی شکل میں آیا
یہی گلاب تو اکبرؑ کی شکل میں آیا یہی گلاب تو اصغرؑ کی شکل میں آیا
ہزاروں پھول ہیں اس پھول کا جواب نہیں
دھرا ہی کیا ہے چمن میں اگر گلاب نہیں

جو کھولے لب سرِمنبر گلاب کی خوشبو (۲۲) کرے فضاکو معطر گلاب کی خوشبو
ہے خار کے لیے نشتر گلاب کی خوشبو تری ہنسی میں ہے اصغرؑ گلاب کی خوشبو
یہ شان ہیں غم شبیرؑ کے قرینوں کی
گلاب پاش سے زینت ہے شہ نشینوں کی

تری نظر سے شجاعت نے بھیک مانگی ہے (۲۳) تیری ادا سے قیامت نے بھیک مانگی ہے
ترے لبوں سے خطابت نے بھیک مانگی ہے ترے سخن سے بلاغت نے بھیک مانگی ہے
شکستِ بدر کا ہر انتقام الٹے گی
تری ہنسی کی ادا تختِ شام الٹے گی

صغیر ہوکے بھی تیور میں تواکیلا ہے (۲۴) شجاعتوں کے بھرے گھرمیں تو اکیلا ہے
خود اپنے باپ کے لشکرمیں تواکیلا ہے قسم خدا کی بہتّر میں تو اکیلا ہے
دلِ ربابؑ ترے جیسا شیر کوئی نہیں
کہ تیرے سن کا جہاں میں دلیر کوئی نہیں

اکیلا پھوٗل ہے تو دین کے مدینے میں (۲۵) دھڑکتا ہے دلِ اسلام تیرے سینے میں
ہیں خوشبوؤں کے بسیرے ترے پسینے میں سوار نوحؑ بھی ہوں گے ترے سفینے میں
تری جبیں کی لکیریں ہیں آیتوں کی حیات
ہے تیری آنکھوں کے ڈورے شہادتوں کی حیات

شناوروں کی کہانی ہے تیرے بچپن میں (۲۶) مقدروں کی نشانی ہے تیرے بچپن میں
سمندروں کی روانی ہے تیرے بچپن میں پیمبروں کی جوانی ہے تیرے بچپن میں
غرورِ تیرِ ستم مسکراکے توڑ دیا
کہ حرملہ کو بھی کاہل بناکے چھوڑ دیا

یہ تیرے بازو، یہ بازو کی مچھلیاں اصغرؑ (۲۷) تری ہتھیلیاں تیری کلائیاں اصغرؑ
فدا ہیں گلشنِ جنت کی ڈالیاں اصغرؑ ہیں ذوالفقارِ علیؑ تیری انگلیاں اصغرؑ
کہ بندمٹھیوں سے تونے کھول دیں فوجیں
بس اک نگاہ کی میزاں پہ تول دیں فوجیں

اجل کے ہاتھوں سے چھینی ہے زندگی تونے (۲۸) ریاض صبر کو بخشی ہے تازگی تونے
چراغِ حق کو عطا کی ہے جلوگی تونے لبوں پہ ایسے سجائی ہے تشنگی تونے
کہ تجھ کو اشکوں کی جھیلیں سلام کرتی ہیں
زمانے بھر کے سبیلیں سلام کرتی ہیں

کرے گا کون وضاحت ترے تبسم کی (۲۹) بہت عظیم ہے آیت ترے تبسم کی
علیؑ وقار ہے ضربت ترے تبسم کی کچھ ایسی چھاگئی ہیبت ترے تبسم کی
سپاہِ شام کے اصنام سارے ٹوٹ گئے
ستم کے ہاتھ سے تیروکمان چھوٹ گئے

عجم نے کھولے نہ لب تیرے چھ مہینوں پر (۳۰) تو دم بخود ہے عرب تیرے چھ مہینوں پر
نثار ہوگئے سب تیرے چھ مہینوں پر مرا سلامِ ادب تیرے چھ مہینوں پر
حیاتِ خضرؑ نے تیری نظر اتاری ہے
تری ہنسی کی صدا ہر صدی پہ بھاری ہے

سلام شاہِ مدینہ کے نونہال سلام (۳۱) حروفِ نہج بلاغہ کے ہم خیال سلام
الگ ہے سارے جہاں سے تری جدال سلام ہر اک صدی سے بڑا تیرا آدھا سال سلام
بڑے بڑوں کی لڑائی سلام کرتی ہے
تجھے خدا کی خدائی سلام کرتی ہے

ہزبر بیشۂ شاہِ نجف علی اصغرؑ (۳۲) خلف کا فخر، غرورِ سلف علی اصغرؑ
ہے تیرے ساتھ رسولوں کی صف علی اصغرؑ خدنگِ ظلم ہے تیرا ہدف علی اصغرؑ
وہ تیرے حلق سے ٹکراکے ٹوٹ جائے گا
خدا کے دیں کو کوئی تیر چھو نہ پائے گا

علیِ تشنہ لبی تیری تیوریوں کو سلام (۳۳) حسینؑ انکھڑیوں، نظروں کی بجلیوں کو سلام
جبیں کی سرخیوں، گوری کلائیوں کو سلام گلے کو بوسہ، شجاعت کی ہنسلیوں کو سلام
ہے نورِ عینِ محمدؐ کا نورِ عین اصغرؑ
ہر ایک رخ سے ہے تو ہوبہو حسینؑ اصغرؑ

ترے لبوں کی خموشی بہار کا لہجہ (۳۴) ترے سکون میں ہے اعتبار کا لہجہ
شکن ہے ماتھے کی یا ذوالفقار کا لہجہ تری ہنسی ہے کہ پروردگار کا لہجہ
بہشتِ عشق کے پھولوں کا شاہزادہ ہے
تو کربلا کے رسولوں کا شاہزادہ ہے

شریعتوں کی پناہیں ترا مصلّی ہیں (۳۵) حیات وموت کی راہیں ترامصلّی ہیں
پیمبروںؑ کی نگاہیں ترا مصلّی ہیں امامِ وقت کی بانہیں ترا مصلّی ہیں
وضو لہو سے کیا اپنے ایسا غازی ہے
تو اپنے دادا کے انداز کا نمازی ہے

تری نگاہ میں والفجر کا اجالا ہے (۳۶) تری جبین پہ والشّمس کا حوالہ ہے
تری زبان ہی والفتح کا رسالہ ہے تو ایک نقطے میں والعصر کا مقالہ ہے
کہاں یہ شان کسی خلد کے فرشتے میں
کہ تو امامِ زمانہ کا جَد ہے رشتے میں

عزائے شاہ کی زینت ہے تیرا گہوارہ (۳۷) غریب خانوں کی جنت ہے تیرا گہوارہ
عقیدتوں کی ضمانت ہے تیرا گہوارہ کلامِ پاک کی صورت ہے تیرا گہوارہ
ملا کچھ اس قدر آرام تیرے جھولے میں
جوان ہوگیا اسلام تیرے جھولے میں

عجم میں ذکر ہے تیرا،عرب میں چرچے ہیں (۳۸) زباں سے کچھ نہیں بولا، ادب میں چرچے ہیں
عجیب حسن ہے شہرِ حلب میں چرچے ہیں چمن کے غنچے ہوں یا خارسب میں چرچے ہیں
اب ایسا اور کوئی پھول کھل نہیں سکتا
ترا جواب زمانے میں مل نہیں سکتا

یہ ماہ ومہر ہیں جس طرح روشنی کے لیے (۳۹) یوں ہی ضروری ہے اصغرؑ تو زندگی کے لیے
بھلادے تیرا تبسم جو دو گھڑی کے لیے یہ کائنات ترس جائے اک ہنسی کے لیے
لگائے نبیوںؑ کی محنت میں چار چاند اصغرؑ
نثار تیری ہنسی پر ہزار چاند اصغرؑ

کھلی ہے آنکھ تری جنتوں کی بانہوں میں (۴۰) دعا کی طرح رہا برکتوں کی بانہوں میں
تمام عمر کٹی عصمتوں کی بانہوں میں کیا ہے رن کا سفر نصرتوں کی بانہوں میں
جو خود میں حجت داور ہے اس کے ساتھ آیا
تو اٹھ کے جھولے سے مقتل میں ہاتھوں ہاتھ آیا

وہ ماں کی گود وہ اصغرؑ کا گریۂ اوّل (۴۱) وہ آنکھوں آنکھوں میں نصرت کا وعدۂ اوّل
ڈھلاڈھلا وہ تبسم ، وہ لہجۂ اوّل ہے انتہائے شہادت یہ ہدیۂ اوّل
پڑی ہے گھٹی میں شہؑ کے بیان کی آواز
سنی ہے شہد سے میٹھی اذان کی آواز

تبسم علیؑ اصغرؑ ہے موتی رولے ہوئے (۴۲) بٹھائی دھاک زباں کی، بغیر بولے ہوئے
جو گاہوارے میں تھا آنکھ کان کھولے ہوئے چلا وہ حلق کے کانٹوں میں پیاس تولے ہوئے
ستم کا چین ، جفا کا سکون چھین لیا
ہنسی کی تیغ سے جسموں کا خون چھین لیا

عطش کی دھوپ میں موجِ سبیل ہے اصغرؑ (۴۳) ہے جس پہ عقل فدا وہ عقیل ہے اصغرؑ
عدالتِ علوی کا وکیل ہے اصغرؑ حسینؑ جیت چکے ہیں دلیل ہے اصغرؑ
علیؑ کے خون کی وحدانیت دکھاکے گیا
ستم کی ہنستی ہوئی فوج کو رلاکے گیا

دعا وہ جس کی دعائیں اثر نے مانگی ہیں (۴۴) کرن وہ جس کی ضیائیں سحر نے مانگی ہیں
ستارہ جس کی ادائیں قمر نے مانگی ہیں مرادیں جس کی شہِ بحروبر نے مانگی ہیں
چمن نے اپنے گل تر کا انتظار کیا
کہ کربلا نے بھی اصغرؑ کا انتظار کیا

تھا عادتوں میں بھی باتوّ کا شیرخوار الگ (۴۵) الگ وہ شیر تھا اور شیر کا کچھار الگ
سنان و تیر و تبر سے تھا اس کا وار الگ چنا تھا اپنے لیے دشتِ کارزار الگ
نہ منھ سے اور نہ نظر سے لگایا دریا کو
ہمک ہمک کے وہ بس دیکھتا تھا صحرا کو

رسالتوں کے سلیقے چمن میں رکھتا تھا (۴۶) امامتوں کی ادا بانکپن میں رکھتا تھا
ہر انقلاب جبیں کی شکن میں رکھتا تھا وہ اپنے کلمے کی انگلی دہن میں رکھتا تھا
فضائے خلد بریں اس کے گرد گھومتی تھی
خود آکے نہرِ لبن اس کے منھ کو چومتی تھی

قسم خدا کی عدیم النظیر ہے اصغرؑ (۴۷) ہلادے رن کی زمیں وہ قدیر ہے اصغرؑ
علیؑ کے گھر کا علیؑ الصغیر ہے اصغرؑ کہ ورثہ دارِ جنابِ امیرؑ ہے اصغرؑ
وغا یہ کہتی ہے اصغرؑ نہیں ہے اکبرؑ ہے
رسولؐ جھولے میں تھا معرکے میں حیدرؑ ہے

لکھا ہے لوحِ عطش پر جلی جلی اصغرؑ (۴۸) چمن چمن نظر آیا کلی کلی اصغرؑ
تری ادا تری صورت بھلی بھلی اصغرؑ حسینیتؑ کی ہے نادِ علیؑ ، علیؑ اصغرؑ
برائے کرب و بلا سورۂ حدید ہے یہ
خدا کی فوج کا سب سے بڑا شہید ہے یہ

وہ بچپنا کہ جوانی میں انقلاب آئے (۴۹) شجاعتوں کی کہانی میں انقلاب آئے
وہ اس کی پیاس کہ پانی میں انقلاب آئے حروف و لفظ ومعانی میں انقلاب آئے
کلامِ پاک کا رخ اک ہنسی نکھار گئی
لحد بھی اجڑی تو اسلام کو سنوار گئی

ہو کوئی دوسرا اصغرؑ ، یہ ہو نہیں سکتا (۵۰) ہر ایک تیر و تبسم پرو نہیں سکتا
علیؑ کا خون ہے ، پہچان کھو نہیں سکتا وہاں ہنسے گا ، جہاں کوئی رو نہیں سکتا
شجاع جھولے سے یوں تیغ بن نہیں چلتے
یہ کربلا ہے یہاں سال وسن نہیں چلتے

شجاعتوں کے فلک سے ٹپک رہی ہے ہنسی (۵۱) گہن میں آ گیا سورج چمک رہی ہے ہنسی
ہیں گنگ ظلم کے کانٹے چبھک رہی ہے ہنسی کمان داروں کو اب بھی کھٹک رہی ہے ہنسی
کئے کچھ ایسے صفِ بے ضمیر کے ٹکڑے
پڑے ہیں بکھرے ہوئے رن میں تیر کے ٹکڑے

قصیدہ اصغرؑ بے شیر کا غزل نے لکھا (۵۲) سلام پانی پہ اس پیاس کا کنول نے لکھا
یہ نام دستِ ابد پر یدِ ازل نے لکھا فرانسیسی میں کیا مرثیہ گنل نے لکھا
زمانے بھر کے لیے امن کا منارہ ہے
زمیں پہ رہ کے تو''معصوموں کا ستارہ'' ہے

اٹھائیں لوگ کتابیں،قلم کے قط دیکھیں (۵۳) اداس فاختہ دیکھیں، سفید بط دیکھیں
حروفِ عالمی اقوام کیوں غلط دیکھیں پیامِ امن پہ بچوں کے دستخط دیکھیں
لکھا تھا بچوں نے ، پھولوں کو سنگ مت کرنا
ہے تم کو واسطہ اصغرؑ کا ، جنگ مت کرنا

عجیب معرکہ جیتا کہ معرکہ بھی نہیں (۵۴) ہے زد پہ تیروں کی اور جسم پر زرہ بھی نہیں
الٹنے کے لیے رن کوئی اسلحہ بھی نہیں بس اک ہنسی کے سوا اور کچھ کیا بھی نہیں
مگر اڑادیے دشمن رہے سہے اک ساتھ
گیا وہ چیر کے نولاکھ اژدہے اک ساتھ

سجے ہوئے ہیں سبیلوں پہ پھول لفظوں کے (۵۵) کھڑے ہیں مشک اٹھائے رسول لفظوں کے
ہے آج نوکِ قلم پر نزول لفظوں کے کہ بانٹتی ہیں تبرک بتولؑ لفظوں کے
وہ آئے ، تشنہ لبی جس کے دل پہ طاری ہے
سبیلِ مرثیۂ شیر خوار جاری ہے

حرم میں رخصت بے شیر کا سماں ہے عجب (۵۶) کلیجہ تھام کے ماں کہہ رہی ہے ہائے غضب
تھا قلبِ عابدؑ مضطر ، اسیرِ رنج وتعب پچھاڑیں کھاتی تھیں یہ سوچ سوچ کر زینبؑ
مزاج شامیوں کے کب بدلنے والے ہیں
حسنؑ کے پھول پہ پھر تیر چلنے والے ہیں

کہا ربابؑ سے اصغرؑ نے آؤ اے امّاں (۵۷) سلاحِ جنگ سے مجھ کو سجاؤ اے امّاں
یہ آستین بھی میری چڑھاؤ اے امّاں چلا ہوں مرنے کو دولھا بناؤ اے امّاں
حدودِ صبروشجاعت سے آگے بڑھنا ہے
کہ مجھ کو پہلے پہل آج رن پہ چڑھنا ہے

پکاری ماں مجھے کیسے خیال آتے ہیں (۵۸) پدر کو دیکھ کے اصغرؑ ہمکتے جاتے ہیں
پئے جہاد عجب ولولے دکھاتے ہیں چلے ہیں رن کو تو رہ رہ کے مسکراتے ہیں
تڑپ یہ ہے کہ پہنچ جائیں جنگ میں اڑکر
عجیب طرح سے تکتے ہیں ماں کو مڑمڑ کر

کہا ربابؑ نے لختِ جگر خدا حافظ (۵۹) مری نظر ، مرے نورِ نظر خداحافظ
مرے قمر،مرے رشکِ قمر خدا حافظ حسینؑ ابنِ علیؑ کے پسر خدا حافظ
یقین ہے مجھے اب گھر وہیں بساؤ گے
اٹھوگے رن سے تو سیدھے بہشت جاؤ گے

کھلی تھی آنکھ مری دے کے شاہِ دیں کو زباں (۶۰) ہے پھر امام کو ہل من معین پر مری ہاں
رضا تو دے ہی چکے ہیں مجھے شہؑ ذیشاں اب آپ دودھ مجھے بخش دیجیے امّاں
نصیب دشت سے لائے نہ لائے اے امّاں
کہ میری لاش بھی آئے نہ آئے اے امّاں

وہاں پہنچنا تو اکبر کو پوچھنا بیٹا (۶۱) ادب سے قاسمؑ مضطر کو پوچھنا بیٹا
ہر ایک اپنے برادر کو پوچھنا بیٹا اجڑنے والے بھرے گھر کو پوچھنا بیٹا
بہت اکیلے ہیں شاہِ انام کہہ دینا
مری طرف سے چچا کو سلام کہہ دینا

ہے شور پھول پئے کارزار آتا ہے (۶۲) جو دستِ شاہ پہ ہوکر سوار آتا ہے
بنانے اپنی ہنسی ذوالفقار آتا ہے جلال میں اسدِ کردگار آتا ہے
یزید جان بچانے کو آج ترسے گا
ہنسی کی تیغ سے تاشام خون برسے گا

فلک سے جنگ کے فن سیکھ کر یہ آتے ہیں (۶۳) زمیں پہ رن کے چلن سیکھ کر یہ آتے ہیں
رجز کے طرزِ سخن سیکھ کر یہ آتے ہیں ہر اک صدائے بزن سیکھ کر یہ آتے ہیں
انھیں کے خوف سے صیاد زیر ہوتے ہیں
یہ شیرخوار بھی میداں میں شیر ہوتے ہیں

زوالِ عصر ہے فدیے کے مرحلے ہیں عجیب (۶۴) حسینؑ اور علیؑ اصغرؑ کے حوصلے ہیں عجیب
تڑپ اٹھا دل ایوبؑ ولولے ہیں عجیب حروفِ محضرِ نصرت کے فیصلے ہیں عجیب
کچھ ایسے چاند کے ٹکڑے پہ شہ کا دامن ہے
چراغِ حق پسِ فانوس جیسے روشن ہے

سراپا نور ہے بے شیر نور زادہ ہے (۶۵) ہے کم جو عمر تو کیا حوصلہ زیادہ ہے
بتولؑ دادی ہیں نفسِ رسولؐ دادا ہے نگاہ میں اسداللہؑ کا ارادہ ہے
یہ تیوریاں تو چڑھی ہیں لڑائی کی خاطر
بندھی ہیں مٹھیاں خیبر کشائی کی خاطر

ہیں نرگسی تو وہ آنکھیں ہلال سے ابرو (۶۶) صغیر ہوکے بھی جوشن کبیر سے بازو
کلائیوں میں کلاوہ کہ جان دے دیں عدو ہے ایک غنچے میں باغ بہشت کی خوشبو
فدا ہو دُر نجف جس پہ وہ نگینہ ہے
گلاب جیسا گلا چاند جیسا سینہ ہے

وہ رخ کہ چاندنی جیسا لطیف جس کا جمال (۶۷) وہ گوری گوری جبیں اور وہ کالے کالے بال
وہ پنکھڑی کی طرح لب وہ پھول جیسے گال ہلال جیسے گلے میں وہ شوقِ تیر کمال
وہ گل بدن ہیں کہ کمخواب بار لگتا ہے
کلی سی آنکھوں پہ ہر خواب بار لگتا ہے

گلابِ تشنہ لبی ہیں بغیر شبنم ہیں (۶۸) زباں پہ پیاس کے کانٹوں کے وار پیہم ہیں
جو برگِ گل کی طرح تھے وہ ہونٹ نیلم ہیں کہ تین روز سے بے آب ابنِ زمزم ہیں
حرم کا آخری ارمان لے کے آئے ہیں
حسینؑ گود میں قرآن لے کے آئے ہیں

دعاؤں سے تھا حرم نے سجایا اصغرؑ کو (۶۹) چڑھا کے آستیں اکبرؑ بنایا اصغرؑ کو
خموشیوں کا رجز بھی سکھایا اصغرؑ کو جو ریگِ گرم پہ شہؑ نے لٹایا اصغرؑ کو
سکون دل میں تھا چہرے پہ اضطراب نہ تھا
جوابِ فوج ستم تھا ، سوالِ آب نہ تھا

کہا نگاہوں سے جانِ شہِ مدینہ ہوں (۷۰) سخن بغیر رجز کا نیا قرینہ ہوں
ہے کربلا جو انگوٹھی تومیں نگینہ ہوں میں کوئی اور نہیں فدیۂ سکینہؑ ہوں
عطش کے صدقے پہ دنیا کو پال سکتا ہوں
رگڑ کے ایڑیاں زمزم نکال سکتا ہوں

علیؑ کے لال کا دلبر ہوں نام اصغرؑ ہے (۷۱) جلالِ فاتحِ خیبر ہوں نام اصغرؑ ہے
جو رن چڑھا ہوں تو اکبرؑ ہوں نام اصغرؑ ہے میں ذوالفقار ہوں حیدرؑ ہوں نام اصغرؑ ہے
خبر بھی شام میں جاکر اجل سنائے گی
میں سرجو کاٹوں گا آوازبھی نہ آئے گی

ہوں بے زبان مشیت کے رمز جانتا ہوں (۷۲) کلامِ پاک کی آیت کے رمز جانتا ہوں
رسالت اور شریعت کے رمز جانتاہوں وکیلِ دین ہوں حجت کے رمز جانتا ہوں
صدا امامؑ نے ہل من کی جو لگائی ہے
وہ میرے واسطے نادِ حسینؑ آئی ہے

یہ ہاتھ دیکھو یہ میری کلائی بھی دیکھو (۷۳) میں کیسے کرتا ہوں رن کی صفائی بھی دیکھو
مرا سکون اور اپنی دہائی بھی دیکھو کمال ہے مری پہلی لڑائی بھی دیکھو
میں عرش مقصدِ کرب وبلا کا پایا ہوں
صدائے شاہ پہ لبیک کہہ کے آیا ہوں

علیؑ کا بولتا کردار ہوکے آیا ہوں (۷۴) بغیر ڈھال کی تلوار ہوکے آیا ہوں
میں چھ مہینے میں تیار ہوکے آیا ہوں مثالِ جعفر طیارؑ ہوکے آیا ہوں
میں آج ظلم کا قصہ تمام کردوں گا
حرام زادوں کا جینا حرام کردوں گا

نگاہیں شام کے لشکر سے خوب واقف ہیں (۷۵) ہجومِ مرحبِ وعنتر سے خوب واقف ہیں
ہراک یزید کے اژدر سے خوب واقف ہیں یہ انگلیاں درِ خیبر سے خوب واقف ہیں
دلیر تھے مرے دادا دلیر ہوں میں بھی
خدا کے شیر کا پوتا ہوں شیر ہوں میں بھی

ہے ناناجان کی ازبر ہر اک وغا مجھ کو (۷۶) تو یاد ہے مرے دادا کی ہر ادا مجھ کو
نہ بھولے گا کبھی خیبر کا واقعہ مجھ کو کہ پھر دکھانا ہے اژدر کا ماجرا مجھ کو
یہ انگلیاں جو علیؑ کے ہنر میں ڈھالوں گا
میں آج کلۂ بیعت کو چیر ڈالوں گا

لڑائی میں مرے گھر کا ہے افتخار الگ (۷۷) زمانے بھر میں ہے تیغِ علیؑ کی مار الگ
کروں گا تم پہ میں اپنی ہنسی کا وار الگ وہ ذوالفقار الگ ہے، یہ ذوالفقار الگ
جسے میں غرق کروں وہ ابھر نہیں سکتا
یہ زخمِ ضربِ تبسم ہے بھر نہیں سکتا

حدِ کمال میں لاؤں گامیں تبسم کو (۷۸) مثالِ تیغ چلاؤں گا میں تبسم کو
جو برق برق گراؤں گا میں تبسم کو علیؑ کی ضرب بناؤں گا میں تبسم کو
میں آج خرمنِ بیعت جلاکے جاؤں گا
خدا کا دین ہے زندہ بتاکے جاؤں گا

کسی سے کعبے کی دیوارجھک نہیں سکتی (۷۹) کلام پاک کی گفتار جھک نہیں سکتی
خدا کے شیر کی تلوار جھک نہیں سکتی یہ شہؑ کی عظمتِ انکار جھک نہیں سکتی
رکی رہے گی اسی سنگِ میل پر دنیا
پلے گی آج سے میری سبیل پر دنیا

عطش کے کانٹوں سے چھلنی ہے یہ دہن میرا (۸۰) مگر صدائے گدائی نہیں چلن میرا
جلالِ حمزہؓ و جعفرؓ ہے پیرہن میرا مری زرہ یہی کرتا یہی کفن میرا
علیؑ کا پوتا ہوں ، ابنِ علیؑ کا جایا ہوں
میں قتل گاہ میں اکبرؑ کے بعد آیا ہوں

یہ تیر روئیں گے رن میں، میں مسکراؤں گا (۸۱) جلے گا جھولا مرا اور میں جگمگاؤں گا
اندھیرے شام غریباں کے بھی مٹاؤں گا دیارِ شام میں بھی روشنی لٹاؤں گا
نہ کرسکوگے تم القصہ مختصر مجھ کو
ابھی توکرنا ہے نیزے پہ بھی سفر مجھ کو

بڑے عجیب ہو غیرت کوبھول بیٹھے ہو (۸۲) ہو کلمہ گو مگر آیت کو بھول بیٹھے ہو
ہر ایک حکمِ رسالت کو بھول بیٹھے ہو غدیر والی ولایت کو بھول بیٹھے ہو
علیؑ ہی دستِ محمدؐ پہ تھے بتایا ہے
مجھے حسینؑ نے ہاتھوں پہ یوں اٹھایا ہے

تو کیا غدیر کا میدان تم کو یاد نہیں (۸۳) وہ خم وہ منبرِ پالان تم کو یاد نہیں
رسولؐ پاک کا اعلان تم کو یاد نہیں یہ حد ہے وادیٔ نجران تم کو یاد نہیں
مباہلے میں نبیؐ گود میں اٹھائے تھے
اسی طرح مرے بابا حسینؑ آئے تھے

تمھیں رسولؐ کے دل کو دکھانے والے ہو (۸۴) درِ بتولؑ گرا کر جلانے والے ہو
علیؑ کے فرق پہ ضربت لگانے والے ہو حسنؑ کے لاشے پہ ناوک چلانے والے ہو
ستمگرو! تم اگر رات ہو تو میں دن ہوں
میں اپنے عہد کا زہراؑ مزاج محسنؑ ہوں

کلامِ پاک کا منھ بولتا ورق ہیں علیؑ (۸۵) وہ جس سے عرش ہوا عرش وہ شفق ہیں علیؑ
جسے خدا نے پڑھایا ہے وہ سبق ہیں علیؑ لڑی ہیں فاطمہؑ جس کے لیے وہ حق ہیں علیؑ
یہ جنگِ کرب وبلا ہے غدیر کا بدلہ
میں آج لوں گا جنابِ امیرؑ کا بدلہ

وہ جو غدیر کی بنیاد ہیں وہ شاہِ نجف (۸۶) جو جبرئیلؑ کے استاد ہیں وہ شاہِ نجف
رسولِ حق کے جو داماد ہیں وہ شاہِ نجف تمام آیتوں کو یاد ہیں وہ شاہِ نجف
خدائے پاک کا فرمان بعد میں آیا
وہ پہلے آئے ہیں قرآن بعد میں آیا

علیؑ وہ جس نے علم پتھروں میں گاڑا ہے (۸۷) بس اک نظر میں پہاڑوں کے دل کو پھاڑا ہے
اسے نہ جینے دیا رن میں جس کو تاڑا ہے قیامت اٹھی ہے دامن جہاں بھی جھاڑا ہے
بہ شکل نادِ علیؑ عون فی النوائب ہیں
علیؑ خدا کی قسم مظہرالعجائب ہیں

زمیں پہ آیا نہ حق کا قدم علیؑ کے بغیر (۸۸) ہوا نہ پاک خدا کا حرم علیؑ کے بغیر
نہ بن سکے گا نصیبِ امم علیؑ کے بغیر نہیں،نہیں،نہیں کلمے میں دم علیؑ کے بغیر
طویل سجدہ ، رکوعِ دراز باطل ہے
علیؑ کے بغض میں ہر اک نماز باطل ہے

خدا نے ختم جو کی امتحان کی دوری (۸۹) زبان ہونے لگی بے زبان کی دوری
سجی تھی ریت پہ کچھ ایسی شان کی دوری کہ باپ بیٹے میں تھی دو کمان کی دوری
زمین و عرش کے سرتاج نے سلام کیا
ہلے جو ہونٹ تو معراج نے سلام کیا

ادھر ہے کیڑے مکوڑوں سا اک ہجومِ سپاہ (۹۰) نہیں ہے رحم سے ان میں کسی کا دل آگاہ
دغا و مکرو ستم پیشہ ، ماہرینِ گناہ بداصل وبدروش و بدحسب نسب بدخواہ
ہے حرملہ بن کاہل وہ ایک ٹیلے پر
ہیں تیر کاندھوں پہ جیسے کہ ہوں کٹیلے پر

وہ حرملہ کا سراپا کہ ہے سراسر زہر (۹۱) بھرا ہے سر میں وہ خناس جیسے گرمیٔ قہر
نشانے بازیاں نظروں کی جیسے فتنۂ دہر زباں درازیاں ہونٹوں پہ جیسے سانپ کی لہر
بھبھوکا آنکھوں میں ہے رحم کا نشان نہیں
بلا خبیث کے پیچھے ہے وہ کمان نہیں

سوئے صغیر وہ دیوِ غرور بڑھنے لگا (۹۲) فنونِ جنگ کے نشے میں چور بڑھنے لگا
بصد سرور وہ بے نور سور بڑھنے لگا کہ عقل گھٹنے لگی اور فتور بڑھنے لگا
تھی ولدیت بنِ کاہل مگر اچانک تھی
بنِ ہجوم تھا تو شکل بھی بھیانک تھی

تھا حرملہ کا رجز میں ہوں فخرِ رستم وسام (۹۳) میں ایسے جنگ میں ہوں جیسے گود میں بہرام
ہے میرے تیروکماں کی جہاں میں شہرت عام بتاؤں کیا ہے مرے سر میں بغض کا سرسام
جو وار کرتا ہوں غنچہ نہ پھول چھوڑتا ہوں
میں ایک تیر سے دو دو چٹانیں توڑتا ہوں

نگاہِ جرأتِ اصغرؑ نے تب کیا یہ کلام (۹۴) مگر یہ تیر کا حملہ تو بزدلوں کا ہے کام
تو چہل سالہ میں شش ماہا پھر بھی دیکھ انجام لے میں زبان کو اپنی بناتا ہوں صمصام
لہکتا شعلہ سلگتا دھواں ابھی ہوگا
ذرا ٹھہر ترا چالیسواں ابھی ہوگا

تو بولا حرملہ اصغرؑ کو آج دیکھوں گا (۹۵) سنان میں بھی ہوں اکبرؑ کو آج دیکھوں گا
جمال روئے پیمبرؐ کو آج دیکھوں گا میں چھ مہینے کے حیدرؑ کو آج دیکھوں گا
دلِ بتولؑ میں ناوک اتارنا ہے مجھے
اٹھ اے صغیر تجھے تیر مارنا ہے مجھے

امامِ وقت بھی اصغرؑ کو تب اٹھانے لگا (۹۶) کماں دو ٹانک کی وہ حرملہ گھمانے لگا
غضب ہے چلّے سے پیکاں شقی ملانے لگا گلوئے خشک کی جانب وہ تیر آنے لگا
شفق میں گھر گیا تشنہ گلو کا فوارہ
نہیں تھا دودھ تو اٹھا لہو کا فوّارہ

وہ لؤں کہ سوچ کے جس کو خیال جلتے ہیں (۹۷) سبھی علاقۂ دشت وجبال جلتے ہیں
زوالِ عصر ہے لمحے کمال جلتے ہیں کہ شرق وغرب وجنوب وشمال جلتے ہیں
تپش سے دھوپ کا چہرہ بھی تلملاتا ہے
مگر ربابؑ کا بے شیر مسکراتا ہے

ہے حشر دنگ وہ محشر ہے شیرخوار کی جنگ (۹۸) دعائے فاتحِ خیبر ہے شیرخوار کی جنگ
دعائے صلحِ پیمبرؐ ہے شیرخوار کی جنگ ثبوتِ مرضیِ داور ہے شیرخوار کی جنگ
جری کا نیزہ ، نہ تیغِ علیؑ چلاتے ہیں
بس ایک غُل ہے کہ بے شیر مسکراتے ہیں

تھے بے زبان غضب کا کلام کرکے ہنسے (۹۹) نظر اٹھاکے ہنسے قتلِ عام کرکے ہنسے
تاسّیٔ لبِ خیرالانام کرکے ہنسے دلِ امامؑ تھے حجت تمام کرکے ہنسے
وہ گھوڑے ہوں کہ بھگوڑے سبھی کو کاٹتے ہیں
ستم کے لاشوں سے میداں کے غار پاٹتے ہیں

سپاہِ شام پہ بجلی گراگراکے ہنسے (۱۰۰) الٹ الٹ کے صفوں کو ہٹاہٹا کے ہنسے
پروں کو توڑا سروں کو اڑاڑاکے ہنسے کہ ذوالفقار نظر سے چلاچلا کے ہنسے
جو غیظ بچے کا دیکھا بڑے سنبھلنے لگے
پروں کی خیر ہو جبریلؑ جھک کے چلنے لگے

فرس سوار سبھی ساتھ ساتھ گرنے لگے (۱۰۱) تھے نابکار سبھی ساتھ ساتھ گرنے لگے
وہ دو وہ چار سبھی ساتھ ساتھ گرنے لگے کئی ہزار سبھی ساتھ ساتھ گرنے لگے
جو فصلیں پکنے لگیں شام کے تماشوں سے
تو ہنس کے پاٹ دیے رن کے کھیت لاشوں سے

کسی کے پاؤں کسی تن سے سراڑاکے ہنسے (۱۰۲) کسی کا قلب کسی کا جگر اڑاکے ہنسے
کسی کی تیغ کسی کی سپر اڑاکے ہنسے تمام تیر تو بے پر تھے پر اڑاکے ہنسے
پٹکتے ہیں نہ کسی کو اٹھاکے کاٹتے ہیں
عجب دلیر ہیں بس مسکراکے کاٹتے ہیں

غضب ہیں تیری تبسم ادائیاں اصغرؑ (۱۰۳) ہیں ذوالفقار یہ نازک کلائیاں اصغرؑ
جو کررہی ہیں صفوں کی صفائیاں اصغرؑ نثار بدر و احد کی لڑائیاں اصغرؑ
اجاڑ ڈالا گھروں کو کواڑ توڑدیے
بس اک ہنسی سے ستم کے پہاڑ توڑدیے

ہنسی سے ہوکے ستمگر ہلاک گرتے ہیں (۱۰۴) کٹائے ناک سبھی خوف ناک گرتے ہیں
بریدہ حلق کہیں سینہ چاک گرتے ہیں ہوا میں اڑتے ہیں بالائے خاک گرتے ہیں
ہنسی کی تیغ بھی ہے مست آج خوں پی کے
دکھارہی ہے جو جوہر دعائے سیفی کے

یہ دُم دبائے دبنگوں سے پوچھتی ہے ہنسی (۱۰۵) لٹے لٹائے خدنگوں سے پوچھتی ہے ہنسی
کٹی کٹائی پتنگوں سے پوچھتی ہے ہنسی یزیدیت کے نہنگوں سے پوچھتی ہے ہنسی
کہو غدیر کے دشمن میں غدر ہے کہ نہیں
یہ کربلا بھی وہی جنگِ بدر ہے کہ نہیں

عجیب حشر ہے راون قضا کے کانپتے ہیں (۱۰۶) ستم کے کنس لیے اپنے باڑ ہانپتے ہیں
منھ اپنا دامنِ بے غیرتی سے ڈھانپتے ہیں ہیں بدحواس یہ انجام اپنا بھانپتے ہیں
درکتی جاتی ہے دھرتی زمانہ دھنستا ہے
بس ایک غنچہ دہن تیر کھاکے ہنستا ہے

جری دلیر اولی الالباب فتح کیش اصغرؑ (۱۰۷) تو کیا ہُوا، ہیں جو کم سن صغیر خویش اصغرؑ
ہر ایک رخ سے علیؑ ہیں نہ کم نہ بیش اصغرؑ چلے تھے شاہ کی گودی میں پیش پیش اصغرؑ
جو بن کے آئے سپاہی تو پھر بنے ہی رہے
پھری ہیں پتلیاں ، ابرو مگر تنے ہی رہے

ہے زلزلہ سا بپا آنکھوں کے تکلم سے (۱۰۸) پکاری کرب وبلا بڑھ کے وادیٔ خم سے
مدینہ جھوم رہا ہے مرے تلاطم سے کہ جنگ جیت لی بے شیر نے تبسم سے
پسینہ موت نے ہر جسم سے نچوڑ لیا
سر اپنا شامیوں نے پتھروں سے پھوڑ لیا

لیے تھا ہاتھوں میں اصغرؑ کو فاطمہؑ کا غریب (۱۰۹) پکارا اے مرے اللہ تو ہے میرا حبیب
مرے گلاب کو آخر ہوا نہ آب نصیب اب اس کے خون سے رخسار میرے ہوں گے خضیب
ستم نے پھول سی گردن میں تیر مارا ہے
نشیبِ موت میں بے شیر کو اتارا ہے

یہ بانکپن کا لڑکپن کا بھُول پن کا وقار (۱۱۰) بیان کیسے ہو بانوؑ کے صف شکن کا وقار
بس اک کلی ہے رسولوں کی انجمن کا وقار نثار غنچۂ نورس پہ گُل چمن کا وقار
رسولؐ راضی ہیں اس آخری شہادت سے
بتولؑ آئی ہیں اصغرؑ کو لینے جنت سے

ستم نے بدر کا کیسا یہ انتقام لیا (۱۱۱) سپاہِ شام نے دشنام اپنے نام لیا
عجیب ظلم کیا ، رحم سے نہ کام لیا وہ تیر مارا کہ زہراؑ نے دل کو تھام لیا
غضب ہے صدمے پہ صدمے حسینؑ سہتا ہے
گلے سے بیٹے کے نانا کا خون بہتا ہے

جفائے فوجِ ستمگار کھینچنے والا (۱۱۲) خدنگِ چشمِ علمدار کھینچنے والا
سنانِ زخمِ دل افگار کھینچنے والا زمیں پہ بیٹھا ہے ہر بار کھینچنے والا
لہو میں نادِ علیؑ کی لکیر کھینچنا ہے
کلی کے حلق سے مولاؑ کو تیر کھینچنا ہے

ہے شہؑ کو فکر حرم کو میں کیا بتاؤں گا (۱۱۳) میں زخم بیٹے کا ماں سے چھپا نہ پاؤں گا
قریبِ خیمہ بھلا کس طرح سے جاؤں گا سبھی کٹا چکے گردن ، کسے بلاؤں گا
اٹھا رہے ہیں قدم بھی سنبھل سنبھل کے حسینؑ
چلے ہیں چہرے پہ اصغرؑ کا خون مَل کے حسینؑ

جو دیکھا بالی سکینہؑ نے روکے فرمایا (۱۱۴) مرا نصیب مجھے ہائے کس جگہ لایا
لہو میں ڈوب کے آیا ہے میرا ماں جایا جو پانی پینے گیا تھا وہ تیر کھا آیا
ترے بغیر بھلا کیسے جی سکے گی بہن
تمام زندگی پانی نہ پی سکے گی بہن

ملا جو نحر شدہ ماں کو گود کا پالا (۱۱۵) تو اپنا حال تڑپ کر تباہ کر ڈالا
کہا کہ ہائے میں اب کیا کروں شہؑ والا لگا ہے حلق میں پیکاں کلیجے میں بھالا
تھا اتنا پیاسا لبوں کو چبائے جاتا تھا
انگوٹھا بھی مرا بچہ نہ چوس پاتا تھا

عجیب حال میں اصغرؑ کو لائے ہیں شبیرؑ (۱۱۶) تڑپ کے غش ہوئی جاتی ہیں بانوئے دلگیرؑ
یہ چھلنی چھلنی گلا اور یہ سہ شعبہ تیر کہیں بھی نحر نہیں ہوتے ایسے طفلِ صغیر
جو ماں نے پوچھا کہ کس بے حیا نے مارا ہے
حسینؑ بولے اسے حرملہ نے مارا ہے

حسینؑ چپ ہیں مگر بین ہے فضاؤں میں (۱۱۷) ہیں نوحے دشت کی سہمی ہوئی ہواؤں میں
کہیں سے اٹھتی ہیں کچھ سسکیاں صداؤں میں یتیموں میں ہے تلاطم تو حشر ماؤں میں
عبا میں زخمِ دلِ بو ترابؑ لائے ہیں
حسینؑ دشت سے سوکھا گلاب لائے ہیں

یہ ماں کے بین ہیں اے میرے ہنسلیوں والے (۱۱۸) جیوں میں کیسے بتا میری گود کے پالے
غموں سے میری نگاہوں میں پڑ گئے چھالے مرے جگر پہ چلے تیری موت کے بھالے
مجھے بھی دیکھ لو آنکھوں کو کھول دو بیٹا
غریب ماں ہوں میں کچھ منھ سے بول دو بیٹا

حرم کو غم سے افاقہ دلا رہے ہیں حسینؑ (۱۱۹) ابھی ہیں اور مصائب بتا رہے ہیں حسینؑ
پھر ایک صبر کا خیبر اٹھا رہے ہیں حسینؑ علیؑ کی تیغ سے تربت بنا رہے ہیں حسینؑ
شہید غنچے کو جلتی زمیں میں گاڑ دیا
جو اشک آنکھوں میں آیا پلک سے جھاڑ دیا

ہیں بین بانوؑ کے اے لال تجھ پہ ماں ہو نثار (۱۲۰) یہ سوچ سوچ کے ہوتا ہے میرا قلب فگار
کجا یہ ریگِ تپاں اور کجا ترے رخسار اجڑنے والا ہے کچھ دیر بعد تیرا مزار
بغیر چھاؤں کے اب عمر میں بتاؤں گی
کہ لاش جائے گی سائے میں، میں نہ جاؤں گی

کہاں ہو غنچہ دہن ماں پچھاڑیں کھاتی ہے (۱۲۱) بلا سبب درخیمہ پہ اٹھ کے آتی ہے
پکڑ کے کوکھ یوں ہی ہر طرف کو جاتی ہے تلاش جس کی ہے اس کو کہاں وہ پاتی ہے
کبھی یہ کہتی ہے مجھ کو غموں نے گھیرا ہے
نظر میں نور نہیں آنکھ میں اندھیرا ہے

کبھی یہ کہتی ہے اے شیرخوار آجاؤ (۱۲۲) کبھی یہ کہتی ہے اے گل عذار آجاؤ
کبھی یہ کہتی ہے اے ماں کے پیار آجاؤ کبھی یہ کہتی ہے اے بے دیار آجاؤ
اب آ بھی جاؤ کہ یہ ماں تمھیں سلائے گی
ڈرونے بن میں بھلا نیند کیسے آئے گی

بس اک نظر سہی چہرہ دکھا دو اے بیٹا (۱۲۳) جگر میں آگ لگی ہے بجھا دو اے بیٹا
کہاں پہ سوتے ہو کچھ تو بتا دو اے بیٹا وہیں میں آؤں گی رستہ دکھا دو اے بیٹا
مجھے کلیجے سے لپٹا کے پھر چلے جانا
بہشت میں ہو تو کیا آ کے پھر چلے جانا

میں تم کو جھولے میں لوری سنایا کرتی تھی (۱۲۴) جو روٹھتے تھے تو بیٹھی منایا کرتی تھی
کسی بہانے سے یوں ہی ہنسایا کرتی تھی کبھی تو گھٹنیوں تم کو چلایا کرتی تھی
تمھاری باتیں مری ہچکیوں میں ہیں اب بھی
ان انگلیوں کے نشاں انگلیوں میں ہیں اب بھی

میں کیسے بھولوں تمہارے وہ سارے پیراہن (۱۲۵) وہ ہنسلیاں وہ علی بند اور وہ گردن
وہ دودھ اگلنا وہ معصومیت وہ بھولا پن وہ پھر ہمکنا وہ اٹھ جانا وہ جبیں وہ شکن
میں کیا کروں مری سانسیں ہیں تنگ جینے سے
تمہارا کرتا لگائے ہوں اپنے سینے سے

بھلادوں کیسے میں یہ ظلم وجبر اے جانی (۱۲۶) جلا ہے جھولا تو اجڑی ہے قبر اے جانی
تمہاری ماں ہوں کروں کیسے صبر اے جانی کہاں بہاؤں یہ اشکوں کے ابر اے جانی
ترے فراق میں دادی بھی جان کھوتی ہیں
بہو کے پہلو میں بیٹھی بتولؑ روتی ہیں

جو قوم وقف ہو انسان پرستم کے لیے (۱۲۷) ہواس کے دل میں جگہ کیوں شہ امم کے لیے
رکھے گی رحم کا جذبہ وہ کیوں حرم کے لیے فقط یہ ظلم ہے کافی ہمارے غم کے لیے
جو گھوڑے سبط پیمبرؐ کی لاش روندگئے
وہ ان کے ساتھ ہی اصغرؑ کی لاش روند گئے

عجب ہے گردشِ دوراں عجب قیامت ہے (۱۲۸) ہے بن میں شامِ غریباں عجب قیامت ہے
نبی کا گھر ہے پریشاں عجب قیامت ہے گھِرا ہے شعلوں میں قرآں عجب قیامت ہے
شباب کیا ہے نشانہ بنا ہے بچپن بھی
جلا ہے بھائی کا جھولا بہن کا دامن بھی

اسیر ہوکے حرم کربلا سے شام چلے (۱۲۹) زمیں پہ چھوڑ کے خاکسترِ خیام چلے
سفر طویل تھا لے کر خدا کا نام چلے اور ان پہ ہنسنے کو ابلیس کے غلام چلے
ہے بچپنے کا مکمل شباب نیزے پر
بلند ہوگیا ننھا گلاب نیزے پر

خزاں کی زد پہ ہے گلزارِ فاطمہؑ اصغرؑ (۱۳۰) میں کیسے بھولوں مدینے کی وہ فضا اصغرؑ
وہ تیر اگود میں صغریٰؑ کی کھیلنا اصغرؑ کروں گی کیسے میں اب اس کا سامنا اصغرؑ
اُسے میں کیسے سنانی تری سناؤں گی
مجھے بتا کہ میں صغریٰؑ کو کیا بتاؤں گی

گل ربابؑ ہے مصداقِ سورۂ کوثر (۱۳۱) یہی ہے شرح فصلّ لربک والنحر
تھا ان کے نانا کا مصرع نہیں یہ قولِ بشر تو ان کی ماں کا ہے نوحہ امثلک ینحر
کلام پاک کے الفاظ میں وہ ابتر ہے
جو اس کو قتل کرے قاتلِ پیمبر ہے

یہ چاند بھی علیؑ اصغرؑ سے چہرگی مانگے (۱۳۲) سویرے اگتے ہی سورج بھی جلوگی مانگے
صریر خامۂ نیرؔ بھی تازگی مانگے زمانہ عقل خرد، رزق، زندگی مانگے
مثالِ نادِ علیؑ سب کو یاد ہیں اصغرؑ
چچا کی طرح سے باب المراد ہیں اصغرؑ

(ثامن جعفری کی برسی پر)

ثامن جعفری، روایتی اندازِ نوحہ خوانی کا پاسدار

سیّد علی ضیا رضوی

روایتی اندازِ نوحہ خوانی کا اک اور پاسدار نوحہ خوان ثامن جعفری بھی ہم سے جُدا ہو گیا۔

مجھے یہ خبر سب سے پہلے ڈاکٹر سمیع حیدر زیدی (ہمارے ساتھی جناب وصی حیدر زیدی کے چھوٹے بھائی) کے توسط سے ملی۔

ہوا یوں کہ ہم سب درِ عبّاس میں ۱۴ / ۱۳ ستمبر ۲۰۲۴ء کی درمیانی شب علّامہ عمران حیدر ثاقی صاحب کی جشنِ عیدِ زہرا (س) سے منسوب نہایت علمی اور پُرمزاح تقریر سے لطف اندوز ہوئے ہی تھے اور میں ہمیشہ کی طرح دُعا کے بعد مومنین سے سورۂ فاتحہ کی التماس کر رہا تھا اور مختلف مرحوم مومنین کے نام شامل کر رہا تھا کہ اچانک ڈاکٹر سمیع حیدر نے کہا کہ جناب ثامن جعفری کا نام بھی شامل کریں مجھے کچھ شبہہ سا ہوا اور اس سے پھر تصدیق چاہی تو اس نے کہا کہ ابھی ''حرفِ حق گروپ'' پر یہ خبر دیکھی ہے۔ میرے علم میں یہ بات ہے کچھ عرصہ قبل جناب اختر آصف زیدی صاحب نے ڈاکٹر سمیع کو گروپ میں شامل کیا تھا چنانچہ مجھے یقین ہوا اور میں نے دکھے دل اور غم واندوہ کے اک بوجھ کے ساتھ مرحومین میں سید ثامن جعفری کا نام بھی شامل کیا۔

ثامن جعفری دیگر عزیز داری کے ساتھ میرا نسبتی بھائی بھی تھا (گویا میری اہلیہ کی خالہ کا بیٹا) اور میں کہوں گا کہ نارتھ امریکہ میں ملاقات کے بعد میرا دوست بھی تھا۔

میری شادی ۲۳ جون ۱۹۸۸ء کو ہوئی اور یہ سب بھائی بہن اس سے بہت عرصہ قبل کینڈا اسکونت اختیار کر چکے تھے لہٰذا میری کسی سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ ثامن جعفری سے میرا پہلا تعارف میرے دیرینہ ساتھی اختر آصف کے ذریعے اسطرح ہوا کہ غالباً ۱۹۸۸ / ۱۹۸۹ میں آصف پاکستان آئی ے اور انہوں نے ثامن جعفری سے نہ صرف اپنی دوستی بلکہ ثامن جعفری کی بہترین نوحہ خوانی کا تذکرہ بھی کیا اور ساتھ ساتھ ثامن نے جو نوحے کینڈا میں پڑھے انکا آڈیو کیسٹ بھی مجھے دیا اسکے بعد ایک دو مرتبہ فون پر ثامن سے گفتگو ہوئی اور اس نے بتایا کہ وہ کینڈا آنے سے قبل محمدی ڈیرہ کی انجمن کا صاحبِ بیاض بھی رہ چکا ہے۔ ثامن کے آڈیو کیسٹ میں پڑھے ہوئے نوحوں سے اندازہ ہوا کہ وہ واقعتاً ہماری روائتی اندازِ نوحہ خوانی کا نہ صرف دلدادہ بلکہ پاسدار بھی تھا جیسا کہ اسکے پڑھے ہوئے بیشتر نوحوں کا طرزِ انداز مرحوم سچے بھائی کے طرز اور اندازِ ادائیگی سے مشابہت رکھتا تھا اور ان میں کچھ نوحے وہ بھی تھے جو بنیاداً سچے بھائی ہی کے پڑھے ہوئے تھے۔

میری پہلی ملاقات ثامن جعفری سے ۱۹۹۴ء میں اسطرح ہوئی کہ ہم اپنے بہترین دوستوں وصی حیدر زیدی اسکی فیملی اور سجّاد حیدر زیدی

کے ہمراہ اپنے دیرینہ دوست اور پڑوسی فخر رضوی کے گھر اٹلانٹا امریکہ سے بائی روڈ ہملٹن کینڈا آئے وہاں خصوصاً مجھ سے ملنے میرا انتہائی شیدا اور چاہنے والا اور سن کے اعتبار سے مجھ سے بہت چھوٹا (ابنِ عبّاس بھائی اور عطیہ باجی کا بیٹا) ہانی آ گیا اور ہم سب ملکر تقریباً تمام شب اپنی انجمن غمخوارانِ عبّاس اور کراچی کی عزاداری کے متعلق گفتگو کرتے رہے دوسرے دن شام کو حسن محمود (میرا کزن اور ہماری انجمن کا پہلا پروگرام سیکریٹری) نے ہمیں اپنے گھر بلایا اور وہاں بہت مختصر، پُرمزاح مگر بھرپور ملاقات ثامن جعفری سے ہوئی اسکو غالباً صابر بھائی کی شادی کی سالگرہ میں شرکت کرنی تھی اس لیے جلدی چلا گیا۔

اسکے بعد بارہا محمود بھائی کے گھر کی مجلسِ عزا و شب بیداری میں شرکت کے ساتھ ساتھ ثامن سے ملاقاتیں ہوتی تھیں اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی ہمارے مشترکہ دوستوں میں اختر آصف اور انصار کاظم اہم ہیں اکثر ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے رہے ہیں۔

ثامن جعفری کی بہت ساری خصوصیات میں سے چند کا تذکرہ اسطرح کروں کہ بہترین ادبی ذوق سے مشّرف، شعر و سخن کو نہ صرف سمجھنے بلکہ انکو برتنے کی بھی صلاحیت کا حامل، مجلسِ عزا و ماتم، محفل و میلاد کا دلدادہ، انتہائی مخلص، ہمدرد، غمگسار، حسّاس اور اکثر جانِ محفل، پُرکشش و جاذب نظر شخصیت کا مالک اور اسکے ساتھ ساتھ مختلف عزیز و رشتہ دار، دوست و احباب سے مستقل رابطہ رکھنا، ٹیلیفون کے ذریعے سب کی خیر و آفیت دریافت کرتے رہنا بغیر کسی گِلہ شِکوہ کے کہ آپ نے مجھے کیوں فون نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اسکو آخری میسج ۲۷ جولائی ۲۰۲۴ء کو عابد جعفری بھائی کے انتقال کا پُرسہ دینے کیلئے کیا اسکے جواب میں اس نے مجھے ۲۸ جولائی ۲۰۲۴ء کو فون کیا ہر چند کہ اس کو بات کرنے میں دشواری ہو رہی تھی لیکن اسکے باوجود تقریباً ۳ منٹ سے کچھ زیادہ اس نے مجھ سے بات کی۔ یہ میرے علم میں نہیں تھا کہ یہ میری اس سے آخری بات ہوگی۔

ایک ہی سال کے اندر اس گھرانے کی بلکہ ملتِ جعفریہ کی تین اہم شخصیات جواں سال مولانا جناب اسد جعفری، مرثیہ گو شاعرِ اہلِ بیتؑ جناب عابد جعفری اور میری ناقص معلومات کے مطابق نارتھ امریکہ عزاداری کے ایک بنیادی رکن صفِ اوّل کے نوحہ خواں جناب ثامن جعفری ہم سے جدا ہو کر مُحمّدِ مصطفیٰؐ اور آلِ مُحمّدؐ کے قُرب سے شَرَف یاب ہو رہے ہوں گے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ بحقِ چہاردہ معصومین خصوصاً اہل و عیال و دیگر لواحقین اور عموماً تمام ملّتِ جعفریہ کو صبر کی توفیق عطا کرے اور مولانا اسد جعفری، محترم عابد جعفری کے ساتھ جناب ثامن جعفری کے درجات کو عالی کرے۔

شاملِ غم و سوگوار
سیّد علی ضیاء رضوی و اہلِ خانہ

تعزیت نامہ سیّد عابد اصغر جعفری کی خدمت میں

اصغر مہدی اشعر

محترم صدرِ مجلس ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب، معزز شعرا، ادباء، حاضرینِ مجلس آپ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

آج ہم یہاں اس شخص کی تعزیت پیش کرنے کے لیے آئے ہیں جسے میں نوحہ خواں کہوں، افسانہ نگار کہوں، ادیب کہوں، صحافی کہوں، مدیر کہوں، مفکر کہوں، شاعر کہوں، مرثیہ نگار کہوں، ترویج ادب کی پہچان کہوں، جدید مرثیے کا علمبردار کہوں، بہترین انسان کہوں، وہ جس کے قلم سے خراجِ عقیدت، سخن، آنسو، آگ، گریہ، تولاّ، قلم، علی ولی اللہ، عدل، کربلا، عزادار، قلم اور درِ فاطمہؑ جیسے مرثیے خلق ہوئے، وہ جو مرثیہ گوئی کو تا نہ بخشندہ خدائے بخشندہ سمجھتا تھا، وہ جو ادب اور سخن کو آوازِ حق کا درجہ دیتا تھا، وہ جو لکھنے لکھانے کے کام کو سب سے بہترین اور سب سے زیادہ عزت کے لائق سمجھتا تھا اور تخلیق حرف ولفظ میں مصروف رہنے والوں کو منتخب شدہ تسلیم کرتا تھا، وہ جس کی حوصلہ افزائی کی بدولت آج یہاں ہمارے شہر میں بہت سے ادبا و شعرا اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں، اس کو عرفِ عام میں ہم عابد جعفری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

یہاں عابد جعفری صاحب کے ۴ بند جو ہمارے ادبا و شعرا کے لیے ان کا پیغام ہیں، آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

تو اے سخنور ! یونہی روشن رہیں چراغ — اس روشنی میں ، پھولتا پھلتا رہے دماغ
دیکھو ، لگے نہ دامنِ فکر و نظر پہ داغ — دائم ہرا بھرا رہے ، تخلیقِ فن کا باغ
علم و ہنر کی دل میں نہ ہر گز کمی رہے
اظہارِ حق کی ، نوکِ قلم میں نمی رہے

میزانِ حق پہ تول کے لکّھو ، لکھو جو بات — گرہ قلم کی کھول کے لکّھو ، لکھو جو بات
قلبِ ہنر ٹٹول کے لکّھو ، لکھو جو بات — آبِ یقین میں گھول کے لکّھو ، لکھو جو بات
سب عزّتیں ہیں لکھنے لکھانے کے کام میں
ورنہ تمہارا کام ہی کیا اِس نظام میں

تخلیقِ حرف و لفظ میں رہتے ہیں جو مدام — پیہم زبانِ شعر میں کرتے ہیں جو کلام
اللہ جن سے لیتا ہے تشہیرِ حق کا کام — اُن خوش نصیب لوگوں کو کرتا ہوں میں سلام
معبود اُن کو رکھّے ہمیشہ پناہ میں
وہ منتخب ہیں خالقِ فن کی نگاہ میں

کرتے ہیں ظلمتوں سے یہ نورِ خدا کشید — گونگے نظامِ فکر و نظر سے ، صدا کشید
اجسامِ حرف و لفظ سے روحِ عزا کشید — ہے علم ان کو کرنا ہے کس شے سے کیا کشید
گیسو قلم سے حُبِ علیؑ کے سنوار کر
پھینکا ہے اُن پہ اہلِ عداوت کو وار کر

کلیم ظفر صاحب کا شکریہ جنھوں نے ہمارے اکابرین کی تعزیت کے لیے ہمیشہ ان مجالس کا انعقاد کیا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ عابد جعفری صاحب کے مرثیے ان کے رثائی کلام کی تدوین ترتیب اور اشاعت کے لیے مری خدمات حاضر ہیں اس سلسلے میں مَیں ان کے خانوادے کی رہنمائی کا طلب گار ہوں۔ بہت شکریہ۔

غیر مطبوعہ مرثیہ عام الحُزن

فرخ راجہ

حق کی لئے دین کی آواز ابوطالبؑ ہیں (۱) جس پہ خالق بھی کرے ناز ابوطالبؑ ہیں
خیر کی رسم کا آغاز ابوطالبؑ ہیں ہر زمانے میں سرافراز ابو طالبؑ ہیں
نہیں ملتا کسی جابر میں کسی غالب میں
دین آتا ہے سمجھ شعبِ ابی طالبؑ میں

تھا عیاں جوہرِ کردار محمدؐ کے لیے (۲) ان کی قربانی و ایثار محمدؐ کے لیے
لَب پہ آیا نہیں انکار محمدؐ کے لیے پیش بیٹے کیۓ سو بار محمدؐ کے لیے
منتظر رہتے تھے وہ حکمِ الٰہی کے لیے
سانس چلتی تھی محمدؐ کی گواہی کے لیے

لوحِ امکان پہ تحریر ابوطالبؑ ہیں (۳) حق کے اوصاف کی تنویر ابوطالبؑ ہیں
حُسنِ ایثار کی تصویر ابوطالبؑ ہیں دین کی عزت و توقیر ابوطالبؑ ہیں
اُن کی فطرت میں جو تہذیبِ دیانت رکھ دی
اس لیے حق نے وہاں اپنی امانت رکھ دی

موسمِ گُل میں انھیں بادِ صبا کہتے ہیں (۴) اُن کے کردار کو معیارِ وفا کہتے ہیں
پاک جذبوں کو محمدؐ کی وِلا کہتے ہیں اہلِ دل صاحبِ تسلیم و رضا کہتے ہیں
اس لیے ان کو گوارا ہے جُدائی سب سے
ہے محمدؐ کی محبت میں لڑائی سب سے

میں ہوں کم فہم جو خالق کی عطا ہو تو کہوں (۵) کیا ہے اَسرار کے پردے میں سنا ہو تو کہوں
کان میں غیب سے آتی جو صدا ہو تو کہوں کہیں عرفان کی محفل جو بپا ہو تو کہوں
ہو زباں محوِ ثنا ان کی تو دل شاد رہے
میرے احساس کی دنیا اگر آباد رہے

شجرِ طیّب و طاہر جو لگایا رَب نے (۶) صحنِ تخلیق کو غُنچوں سے سجایا رَب نے
اپنی اُلفت کے مظاہر کو بنایا رَب نے جلوۂ قدرتِ توحید دکھایا رَب نے
ہر طرف نُورِ سحر رنگ کی تابانی ہوئی
آسمانوں پہ محمدؐ کی ثنا خوانی ہوئی

کتنا خوش رنگ تھا محبوبِ خدا کا جلوہ (۷) حُسنِ اخلاق کا خالق کی رضا کا جلوہ
عِلم کا نُور کا خوشبو کا صبا کا جلوہ تھا مروّت کا سخاوت کا عطا کا جلوہ
جنبشِ لَب سے کھلا نغمۂ رحمت کیا ہے
ان کی آنکھوں نے بتایا کہ محبت کیا ہے

نُورِ احمدؐ سے کھلا عالمِ امکان کا دَر (۸) چودہ معصوم تھے اوصافِ خدا کے پیکر
مرکز حُسن ، حجابات کا ذیشان نگر یہ عنایت تھی کہ دیدار کرے چشمِ بشر
ہے کرم چاند ستاروں میں جو رعنائی ہے
زیست نے ان کے توسط سے ضیا پائی ہے

جمع ارواح ہوئیں روزِ ازل آکے تمام (۹) حق کی آواز میں گونج اٹھا محمدؐ کا نام
پیش خالق نے کیا واں پہ ولایت کا نظام چودہ معصوموں کا دکھلایا گیا سب کو مقام
سب نے اقرار کیا لی گئی بیعت سب سے
یعنی منوائی گئی ان کی فضیلت سب سے

نسلِ آدم میں ہوئے صاحب کردار الگ (۱۰) ظُلم سے دور محبت کے خریدار الگ
قصی و غالب و ہاشم کے تھے اطوار الگ تھے براہیمؑ کی اولاد کے انوار الگ
ہم کو تاریخ نے بتلایا کہ لاثانی ہیں
کعبہ دیتا ہے گواہی کہ وہ نورانی ہیں

ابرہہ آیا جو کعبے کو گرانے کے لیے (۱۱) ایسا لگتا تھا وہ آیا نہیں جانے کے لیے
ہاتھی لایا تھا وہ ہر اک کو ڈرانے کے لیے شہر سب بھاگ گیا جان بچانے کے لیے
رہ گئے حق کی رضا مانگتے ابنِ ہاشم
درِ کعبہ پہ دعا مانگتے ابنِ ہاشم

چاند کی طرح چمکتا تھا وہ روشن چہرہ (۱۲) صُلب میں ان کے جو تھی نورِ محمدؐ کی ضیا
ابرہہ چھوڑ کے کرسی کو انھیں جھک کے ملا ان کی عظمت کا تھا کیا بھید نہ کچھ اس پہ کھلا
اس سے فرمایا ترے لوگ جو ساتھ آئے ہیں
شب مرے اونٹوں کو کیوں ہانک کے لے آئے ہیں!

ہنس کے بولا کہ میں سمجھا تھا کہ سردار ہیں آپ (۱۳) ہیں شرافت میں جُدا صاحبِ کردار ہیں آپ
مثلِ اسلافِ زمانے میں خوش اطوار ہیں آپ جذیہ دینے کے لیے لگتا ہے تیار ہیں آپ!
پست ہمت ہیں کہ خود توڑ دیا کعبے کو
چند اونٹوں کے عوض چھوڑ دیا کعبے کو

ذات میں اپنی یقیں لگتے تھے سردارِعرب (۱۴) دشمنوں کو بھی حسیں لگتے تھے سردارِعرب
فرش پر عرش نشیں لگتے تھے سردارِعرب صاف کعبے کے مکیں لگتے تھے سردارِعرب
اونٹ میرے ہیں وہ بولے انھیں لینا ہے شتاب
کعبہ میرا نہیں ہے جس کا وہ خود دے گا جواب

تھی ازل سے یہ خبر گرم کہ محبوبِ خدا (۱۵) حُسنِ اوصاف کی خُو لے کے میانِ کعبہ
بُت شکن بھائی کے ہمراہ کرے گا جلوہ سب نبیؐ دیتے رہے ان کے لیے درسِ وفا
ان کے پیغام کو سنتے رہے سب مُطّلبی
پھول الفاظ کے چنتے رہے سب مُطّلبی

ہر زمانے میں نمایاں رہے ان کے اوصاف (۱۶) کبھی میلا نہ دکھائی دیا کعبے کا غلاف
حج بھی ہوتا رہا اور کرتے رہے لوگ طواف رکھا آئینۂ دل گردِ معائب سے صاف
نغمۂ کلمۂ حق سب کو سنائے گا ضرور
ان کو دل سے یہ یقیں تھا کہ وہ آئے گا ضرور

حق کا احساس دلاتے رہے کعبے کے ولی (۱۷) شان احمدؐ کی بتاتے رہے کعبے کے ولی
بوجھ ہر غم کا اٹھاتے رہے کعبے کے ولی عہدِاُلفت کا نبھاتے رہے کعبے کے ولی
ہوئے رُخصت شبِ دنیا سے اُجالے کرکے
اور محمدؐ ابوطالبؑ کے حوالے کرکے

آسمانِ ابوطالبؑ پہ نکل آیا قمر (۱۸) نُور اترا تھا کہ پھوٹی تھی محبت کی سحر
ایسا روشن تھا کہ چہرے پہ نہ پڑتی تھی نظر پھولنے پھلنے لگا دین کی عظمت کا شجر
نظر آتا تھا صداقت کا دیانت کا کمال
لوگ دینے لگے کردارِ محمدؐ کی مثال

ان کے عم زاد محبت میں جُدا لگتے تھے (۱۹) نرم خُو ایسے کہ مانندِ صبا لگتے تھے
بولتے یوں کہ فرشتوں کی صدا لگتے تھے ایسا کردار کہ تصویرِ وفا لگتے تھے
ان کی تعظیم میں سَر خم بھی تھے اُفتادہ بھی
ایسے پروانے کہ جاں دینے پہ آمادہ بھی

مرکز لُطف و عنایت ابوطالبؑ کا گھر (۲۰) حاملِ حُسنِ شرافت ابوطالبؑ کا گھر
رُوح دیں ، جانِ ہدایت ابوطالبؑ کا گھر یعنی تسکینِ رسالتؐ ابوطالبؑ کا گھر
صرف تنہائی تھی جب تلخیٔ جاں احمدؐ کی
فاطمہ بنتِ اسد بن گئی ماں احمدؐ کی

اپنی اولاد کو بتلایا محمدؐ کا مقام (۲۱) حکم تھا آقا ہے وہ سب کا، ہو تو اس کے غلام
اس کے مفہوم کو سمجھو جو کرے تم سے کلام کرکے اقرار پیو اس کی ولایت کا جام
دِل میں احساس یہ رکھنا وہ ہے عظمت والا
وہ ہے محبوب خدا کا وہ ہے رحمت والا

طاہرہ بی بی خدیجہؑ کی تجارت کا دور (۲۲) اس کی دولت کا زمانہ وہ سخاوت کا دور
اس کے کردار کا اخلاق کا عظمت کا دور حسنِ تہذیب کا آئینِ شرافت کا دور
لوٹے خالی کوئی تھا کب یہ گوارا اس کو
مشکل اوقات میں ہر اک نے پکارا اس کو

روم و ایران میں سب جانتے تھے نام اس کا (۲۳) کوئی منصوبہ نہ دیکھا گیا ناکام اس کا
یعنی پایا نہ گیا مال کبھی خام اس کا تذکرہ کرتی تھیں دنیا میں سب اقوام اس کا
اس کی رفعت کا نشاں اس کی سفارت لے کر
قافلے جاتے تھے سامانِ تجارت لے کر

محوِ حیرت تھی خدیجہؑ کہ ہوئی شان عیاں (۲۴) میسرہ اور محمدؐ کے فضائل کا بیاں
آنکھیں ہیں پیار بھری شہد سے میٹھی ہے زباں سنگ سے پھوٹ پڑے پل میں خنک آبِ رواں
دشت شاداب ہوں پھولوں پہ نکھار آجائے
گر اشارہ ہو تو گلشن میں بہار آجائے

یہ مودّت کی کہانی تھی محبت کا ذکر (۲۵) تھا لبوں پر جو بھتیجے کی صداقت کا ذکر
ابوطالبؑ نے کیا ان کی دیانت کا ذکر سن چکی تھی وہ محمدؐ کی شرافت کا ذکر
کس قدر خوش تھی وہ راتوں میں اُجالے کرکے
قافلہ اپنا محمدؐ کے حوالے کرکے

صاف گوئی کبھی معروف وہ سچائی ہوئی (۲۶) ہر طرف حُسنِ محمدؐ کی پذیرائی ہوئی
خالی پلٹی نہیں مخلوق جو تھی آئی ہوئی ان کے اخلاق سے لوگوں کی شناسائی ہوئی
ہوئے احمدؐ کے سبب پورے سب اہداف ان کے
قافلے والے بتانے لگے اوصاف ان کے

ان سے سیکھا ہے کہ تہذیبِ تجارت کیا ہے (۲۷) سچ کسے کہتے ہیں انسان کی عزت کیا ہے
نفع کیا چیز ہے اور جنس کی قیمت کیا ہے ہم نے کیا لینا ہے لوگوں کی ضرورت کیا ہے
ایسا کردار کیا پیش جو دیکھا بھی نہ تھا
کامیابی وہ ملی ہے کبھی سوچا بھی نہ تھا

سب نے دیکھا تھا محمدؐ کی فضیلت کا شرف (۲۸) میسرہ چاہے وہ خود جائیں خدیجہؑ کی طرف
بالکونی پہ کھڑی ساتھ کنیزوں کی صَف اَبر تھا سایہ فگن بجتے تھے اشجار کے دَف
آمدِ فصلِ بہاراں تھی ہوئی محوِ خرام
اس نے خود بڑھ کے کیا حسنِ عقیدت سے سلام

وہ خوشی پائی کہ باقی نہ رہا کوئی مَلال (۲۹) خود محمدؐ سے سنا ان کے سفر کا احوال
گفتگو دِل میں تو آنکھوں میں اُترتے خدوخال اس پہ کھلتے گئے صنّاعِ قدرت کے کمال
اس کی پاکیزہ نگاہی کا یہ ہے پیمانہ
مال بھی پیش کیا دل بھی کیا نذرانہ

بھول پائے نہ کوئی نورِ محمدؐ کی جھلک (۳۰) سامنے ہوں تو جھپک سکتا نہیں کوئی پلک
ان سی گفتار نہ کردار زمیں تابہ فلک سایۂ ابر سے ہوجائے فضا ساری خنک
نہ کہا اس نے کسی سے نہ بتایا خود کو
ان کی عظمت تھی کہ سجدے میں گرایا خود کو

ہاشمی جمع ہوئے سب ابوطالبؑ کے گھر (۳۱) ابوطالبؑ نے سنائی یہ قبیلے کو خبر
دُختر نیک خدیجہؑ ہے محمدؐ سا پسر دو قبیلوں میں ہوا طے یہ محبت کا سفر
جتنے بھائی تھے وہ سب سجدۂ خالق میں گرے
حمزہ و جعفر طیار گلے ملنے لگے

بن گئی دین خدا کے لیے مضبوط اَساس (۳۲) زیبِ تن ہاشمیوں نے کیے خوش رنگ لباس
تھا خدیجہؑ کو محمدؐ کی بڑائی کا پاس بھردیا شہر کے ہر گھر میں خوشی کا احساس
گوشت تقسیم ہوا خوانِ کرم بانٹے گئے
شہر بھر میں کئی دن دام و درم بانٹے گئے

گھر کو ہر طرح کے پھولوں سے سجایا ہوا تھا (۳۳) ہر قبیلے کے اکابر کو بلایا ہوا تھا
مسند خاص پہ مولاؑ کو بٹھایا ہوا تھا تھی خنک تیز ہوا اَبر بھی چھایا ہوا تھا
بھیجا احمدؐ پہ درود اس نے ثنا سے پہلے
ابوطالبؑ نے پڑھا عقد دُعا سے پہلے

ان کے اعلانِ نبوت سے بپا تھی ہلچل (۳۴) بُت کدے ہوگئے خاموش تو مشرک بے کَل
ابوطالبؑ کی طرف آئے کہ مشکل ہو حل زن، زمیں، زر کو سمجھتے تھے رسالت کا بدل
حق کی آواز نہ تھی طاقت و مسند کے لیے
ابوطالبؑ رہے خاموش محمدؐ کے لیے

ابوطالبؑ کو تھا معلوم بھتیجے کا مقام (۳۵) اقربا جمع کیئے تاکہ سنیں حق کا پیام
فاطمہؑ بنتِ اسد نے کیا تیار طعام ہوئے فارغ تو محمدؐ نے کیا ان سے کلام
مجھ پہ رحمت ہے خدا کی میں ولی اس کا ہوں
میں ہوں خالق کا فرستادہ نبیؐ اس کا ہوں

تھی ابولہب سے منسوب جو ہر اک بدعت (۳۶) اتنا سننا تھا کہ کھول اٹھا وہ شیطان صفت
اُڑ گئی چہرۂ منحوس سے یکدم رنگت بھاگ اٹھا کہ نہ لڑنے کی تھی اس میں طاقت
اس کا جو ردِعمل تھا اسے دکھلانے دیا
ابوطالبؑ رہے خاموش اسے جانے دیا

دوسرے دن بھی عمل اس نے وہی دہرایا (۳۷) مصلحت تھی نہ کوئی اس سے وہاں ٹکرایا
پھر وہ دن آیا جلال اپنا اسے دکھلایا پُشت پر تھے ابوطالبؑ نہ وہ اٹھنے پایا
پائی پیغامِ نبیؐ میں نہ بھلائی اس نے
ساری کفار کو رُوداد سنائی اس نے

ابوطالبؑ کی جلالت کا خیال آنے لگا (۳۸) ہر کوئی سامنے آجانے سے گھبرانے لگا
کوئی احسان جو تھے ان کے وہ دہرانےلگا بنی ہاشم سے نہ لڑنا کوئی سمجھانے لگا
پھر یہ تدبیر ہوئی دُور وہ گھر کر دیجے
وہ یہاں پر نہ رہیں شہر بدر کر دیجے

ذِکر ہے دیکھ لو قرآن میں کس شان کے ساتھ (۳۹) ان کا ایمان سمجھ آئے گا عرفان کے ساتھ
ظُلم اک اور ہوا حضرت عمرانؑ کے ساتھ کرتے ہیں ان کا تقابل ابوسفیان کے ساتھ
اُلفتِ احمدؐ مرسل میں رُلایا کتنا
ابوطالبؑ کو زمانے نے ستایا کتنا

نغمۂ شوق زمانے کو سنایا نہ گیا (۴۰) اس قدر پہرے کہ واں پر کوئی آیا نہ گیا
دِل میں جو درد تھا لَب پر اسے لایا نہ گیا غم کا اِک سیل تھا آنکھوں سے چھپایا نہ گیا
موسمِ گُل میں پرندوں نے چمن چھوڑ دیا
خاندانِ ابوطالبؑ نے وطن چھوڑ دیا

کوئی حامی نہ محمدؐ کا رہا ہائے غضب (۴۱) چھوڑ کر شہر کہیں دُور چلا ہائے غضب
کون تھا واں ابوطالبؑ کے سوا ہائے غضب بھول بیٹھے تھے خدیجہؑ کی وفا ہائے غضب
کیسے کہہ دوں کہ تھا گھر شعبِ ابی طالبؑ میں
ہوگئے خاک بسر شعبِ ابی طالبؑ میں

ابوطالبؑ نے تنی تھی جو اَماں کی چادر (۴۲) شب بدلتے تھے علیؑ پاک نبیؐ سے بستر
حمزہ و جعفر طیار نے کس لی تھی کمر سارے بھائی تھے وہاں ان کے لیے مثلِ سپر
اُن کے لَب رہتے تھے ویرانے میں مصروفِ ثنا
شب کی تاریکی میں آتی تھی دعاؤں کی صدا

دُھوپ تھی سایۂ فگن دشت کی تنہائی تھی (۴۳) قلتِ آب تھی اور بادیہ پیمائی تھی
چہرے پژمردہ تھے کم قوتِ گویائی تھی پر نہ احساسِ مؤدّت میں کمی آئی تھی
یوں کہوں شمعِ رسالت کے وہ پروانے تھے
عشق میں مجھ کو یقیں ہے کہ وہ دیوانے تھے

کھانا کھائیں جو محمدؐ تو کھلاتے ہیں چچا (۴۴) خود نہیں سوتے مگر ان کو سلاتے ہیں چچا
لوگ دشمن ہیں تو لوگوں سے بچاتے ہیں چچا رات اُٹھ اُٹھ کے انھیں دیکھنے آتے ہیں چچا
کبھی اوجھل ہوں تو ہنگامہ بپا ہوجائے
دشت کب دشت رہے خون کا دریا ہوجائے

ہر گھڑی پیشِ نظر ان کی نبوت رکھی (۴۵) جو محمدؐ کا ہوا اس سے محبت رکھی
دُور ہر ایک بھتیجے سے اذیّت رکھی جاری مشکل میں بھی مولاؑ کی حمایت رکھی
کافروں کو بھی تھا معلوم ثنا کا مطلب
جانتے تھے ابوطالبؑ کی وفا کا مطلب

ندوہ میں جمع تھی اولادِ ولید و شیبہ (۴۶) واں پہ سب نے ابوطالبؑ کو جو آتے دیکھا
مسکرائے کہ ہوئی فتح کرو جشن بپا لات و عزّیٰ کا کرم ہے ہمیں مطلوب ملا
بخش دیں گے ابوطالبؑ نے جو مانی تقصیر
کارگر ہوگئی دراصل ہماری تدبیر

ابوطالبؑ تھے ضعیفی میں بھی اک شیربر (۴۷) وہ قریب آئے تو سب ملنے لگے اُٹھ اُٹھ کر
بولے اب ختم کریں اپنی مصیبت کا سفر چھوڑیں احمدؐ کو کہ لوٹ آئیں گئے شام و سحر
اب نصیحت نہ کریں ہم کو نہ سمجھائیں ہمیں
کیوں ہیں خاموش جو تجویز ہے بتلائیں ہمیں

تم سمجھتے تھے کہ ہوجائے گا سَر خَم میرا (۴۸) سربلندی کا نہ لہرائے گا پرچم میرا
یا سمجھتے تھے کہ گھٹ جائے گا اب دم میرا حوصلہ دیکھو گے ہرگز نہ کبھی کم میرا
کچھ نہ ہوگا ہے محمدؐ کی دُعا میرے ساتھ
جانتا ہوں کہ ہے خالق کی رضا میرے ساتھ

وحیِ باری سے ملی ہے یہ محمدؐ کو خبر (۴۹) عہد نامے کو کیا ختم خدا نے یکسر
یہ حقیقت ہے نہیں خوابِ گراں کا منظر ابوطالبؑ نے بتایا تو جُھکی سب کی نظر
صرف اللہ لکھا دیکھو گے تم چل کے وہاں
نہیں رہنے دیا دیمک نے عبارت کا نشاں

فاقے کاٹے کبھی بیمار رہے شہر سے دور (۵۰) دشمنوں سے کبھی بیزار رہے شہر سے دور
گرچہ غم باعثِ آزار رہے شہر سے دور پر محمدؐ کے وفادار رہے شہر سے دور
کیا بتاؤں جو ضعیفی میں ہوا ان کا حال
ابوطالبؑ نے اذیّت میں گزارے دو سال

آنکھیں بے خواب رہیں تھک گیا ہر عضوِ بدن (۵۱) سر جو بوجھل تھا تو بے ربط تھی دل کی دھڑکن
گرچہ سو درد تھے آیا نہ مگر لب پہ سخن بدلا بدلا نظر آنے لگا گھر کا آنگن
غم کی حالت تھی وہ لاچار نظر آتے تھے
چلنا دُوبھر ہوا بیمار نظر آتے تھے

کبھی اولاد کو سمجھاتے ، نصیحت کرتے (۵۲) کبھی اللہ سے دنیا کی شکایت کرتے
ساتھ دینا ہے نبیؐ کا یہ ہدایت کرتے کبھی تنہائی میں حیدرؑ کو وصیت کرتے
دشمنوں نے جو چنا تھا وہ ہدف دیکھتے تھے
ٹکٹکی باندھے محمدؐ کی طرف دیکھتے تھے

ہائے وہ دن کہ ہوئی گھر پہ خموشی طاری (۵۳) بڑھ گئی دیکھتے ہی دیکھتے جب بیماری
زرد رنگت ہوئی چہرے کی ، بڑھی لاچاری ہوگئے واں پہ ہر اک آنکھ سے آنسو جاری
اُن کے لَب ہلتے رہے ذکرِ خدا کرتے ہوئے
حالتِ نزع میں احمدؐ کی ثنا کرتے ہوئے

ان کی میّت پہ ہیں افسردہ نبیؐ ، روتے ہیں (۵۴) سَر جھکائے ہوئے سرہانے علیؑ روتے ہیں
شور برپا ہے زمانے کے ولی روتے ہیں اُن کے اوصاف کو گِن گِن کے سبھی روتے ہیں
بین کرتے ہوئے شدت سے بچارے مومن
سال بھر روتے رہے درد کے مارے مومن

ہائے وہ وقت ہوئے آلِ محمدؐ تنہا (۵۵) برچھی اکبرؑ کو لگی چھد گیا اصغرؑ کا گلا
ٹوٹی مولاؑ کی کمر زیں سے جب عباسؑ گرا قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ کا جگر خون ہوا
دین کو آئی بہت یاد ابوطالبؑ کی
دَشت میں کٹ گئی اولاد ابوطالبؑ کی

لکھے فرحؔ نے یہ اشعار ہوا لُطف و کرم (۵۶) ورنہ اک لفظ نہ لکھ سکتا تھا بے جان قلم
روشنی شمعِ مودّت کی نہیں ہے مدھم سب ملا ہے اسی دَر سے ابوطالبؑ کی قسم
جو بھی لکھا وہ عنایات کا شکرانہ ہے
یا نبیؐ! آپ کی خدمت میں یہ نذرانہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیے کی تاریخ، تقدیس اور یداللہ حیدر

(تعزیتی مجلس میں پیش کیا گیا)

ادبیات میں پاکیزگی کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے جب خدا، اس کے رسولؐ، ان کی آل اور ان کی اہلِ بیتؑ کے فضائل اور مصائب کو بیان کیا جائے تو عرفِ عام میں اسے تقدیسی ادب کہا جاتا ہے۔

آج کی دنیا تقدیسی ادب کو حمد، نعتِ منقبت، مرثیہ، سلام اور نوحہ کے نام سے جانتی ہے۔ مگر ان میں ایسی صنف ہے جو تقدیسی ادب کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، یہ وہ صنف ہے جس میں حمدِ خدا بھی موجود ہے، نعتِ رسولِ مقبولؐ بھی، جو آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک کی مدح، فضائل حالاتِ زندگی، معجزات، روایات، اخلاق، اصول، کرب، گریہ اور مصائب پر مشتمل ہے، عرفِ عام میں اسے مرثیہ کہا جاتا ہے۔

یہ مرثیہ ہی تو ہے جس نے ظلم و جبر و استحصال کے خلاف ایک کمان سنبھالی ہے۔ یہ آپ کے دور کے اشرافیہ، شعرا، ادبا، ناقد، محقق ہی تو ہیں جو جھوٹ کو سچ سے اور باطل کو حق سے علیحدہ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہ کہوں تو بجا ہے کہ مرثیے کی ایک تعریف باطل کو حق سے الگ کرنے کے ہیں، باطل لاکھ لبادے اوڑھ کر اپنے آپ کو پیش کرے، ہر زمانے کا ہر مرثیہ نگار مرثیے کہہ کہہ کے پچھلے ۱۴۰۰ سال سے باطل اور اس کے حمایت یافتہ تخت کی چولیں ہلائے دے رہا ہے۔ یہ ہمت، یہ جرات، یہ طاقت، یہ توانائی آخر کہاں سے آئی۔

درحقیقت مرثیے کو کربلا کی شکل میں ایک ایسا منارہ ملا جس نے اپنے ذکر کو ادب میں شامل کر کے حق اور باطل کے درمیان ایسی معرکہ آرائی کو معیار بنایا کہ جبر، ظلم، استحصال اپنے اصل روپ میں سامنے آیا، باطل شہنشاہیت کا لبادہ اوڑھے اپنے اثر و رسوخ کے ساتھ ہر دور میں سامنے آیا اور رثا خصوصاً مرثیے نے ہر دور کے اس جابر، اس ظالم کو دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا۔

History is written by the victor کے نظریے کو تار تار کر دینے والا یہ مرثیہ ہی تو ہے جس نے یزید کے نام۔ ظاہری طور پر اس Victor کے کردار اور اس کے اطوار کو باطل کے طور پر پہچنوایا۔

یہ واضح ہے کہ ظلم، جبر، استحصال کے خلاف آوازِ حق کو خدا نے آپ کے سامنے مرثیے کی صورت میں ایک حل کے طور پر پیش کیا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ حل موجود نہیں، مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ ظالم نے ظلم کرنے کی خصلت نہیں چھوڑی اور مرثیے نے اس کے ظلم کو آشکار کرنے کی فطرت، بس جہاں حق کا نام آئے وہاں کربلا کا ذکر ضرور آئے گا، جہاں حقانیت وہاں حسینیت، جہاں باطل وہاں یزیدیت۔

آج سے تقریباً ۵۵۰ سال پہلے شاہ اشرف الدین اشرف بیابانی کی نوسر ہار سے شروع ہونے والا سفر جس میں کئی تغیرات آئے، کبھی اس صنف کو صرف رونے رلانے والی صنف قرار دیا گیا، کبھی بگڑا شاد مرثیہ گو، بگڑا گویّا سوزخوان کا لبادہ اڑھا دیا گیا یعنی شاعری میں درجہ کمال کو نہ پہنچنے والا شاعر مرثیہ گوئی اختیار کر لیتا ہے مگر وقت نے پلٹا کھایا اور مرثیے کی بدولت اردو نے ایک عالمی اور لافانی زبان ہونے کا ارادہ کیا، سوداؔ نے مختلف پیرائے میں مرثیہ نگاری شروع کی مختلف تجربات کیے، میرؔ نے پیری کے باوجود ۳۴ مرثیے کہے اور اپنے مرثیے کے آخری بند

میں یہ چار مصرعے کہہ کے آنے والے شعراء کو کیا عجب پیغام دیا، وہ میرؔ جس کی زندگی غزل کی ترویج میں بسر ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔

(بیہودہ بات کہنے کا عمل) (بکواس)

مدّت تلک کی ہرزہ درائی شہرت ہوئی پر ذلّت اٹھائی
بس میرؔ کب تک پیری بھی آئی اب مرثیہ ہی اکثر کہا کر

سوداؔ اور میرؔ کے اس زمانے سے مرثیے نے کروٹ لی اور اس کے بعد ضمیرؔ کے اجزا نے مرثیے کو تقویت بخشی، وہ قوت و تازگی جسے فصیحؔ، دلگیرؔ انیسؔ اور دبیرؔ نے نیا رنگ دیا، نئی زبان دی، نیا مضمون دیا اور اس مرثیے کا سنہری دور شروع ہوا۔ کہاں بگڑا شاعر مرثیہ گو اور کہاں غالبؔ و ذوقؔ کہ غالبؔ ۳ بند کہنے کے بعد قلم رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے، یہ انیسؔ و دبیرؔ کا خاصہ ہے۔

الغرض مرثیے کا دور پھر بدلا اور جدیدیت اور دورِ حاضر سے متاثر ہو کر کہے جانے والے مرثیوں کا دور شروع ہوا۔ وہ مرثیہ جو عقیدے کا علمدار تھا، جو روایتوں میں رچا ہوا تھا، جو واقعات کربلا میں بسا ہوا تھا اس مرثیے نے اپنے دور کی نمائندگی کرنا شروع کی اور شاعر اور مرثیے کے شاعر کی پہچان بتلائی کہ آج کا شاعر وہ ہے جو اپنے وقت میں جیتا ہے اور اپنے دور کے ظلم و جبر کو اپنے قلم کے ذریعے دنیا پر آشکار کرتا ہے، یہ وہ شاعر ہے کہ جو کربلا اور حسینؑ کو منارہ بنا کر آج کے دور کی تصویر پیش کر رہا ہے۔ یہ وہ مرثیہ ہے جو صرف رلانے پر مبنی نہیں، یہ وہ مرثیہ ہے جس نے کربلائی قوت سے، اس کے مرکز سے اپنے آپ کو آفاقی درجے پر پہنچا دیا ہے۔ اس کے مضامین حیاتِ نو کا قرینہ بتلا رہے ہیں، مر کے جینا سکھا رہے ہیں۔

حیاتِ نو کا قرینہ بتا گئے ہم کو حسینؑ مر کے بھی جینا سکھا گئے ہم کو

آج کے مرثیے کا دارومدار علم ہے منطق ہے فلسفہ ہے، یہ کہوں تو بجا ہے کہ اگر مرثیہ جسم ہے تو علم اس کی غذا، منطق اس کی روح اور فلسفہ اس کی توانائی۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے ۳۰ سالوں میں ذہنی رویے، اخلاقی موضوعات، زندگی کے مشاہدات تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئے ہیں، ٹیکنالوجی اور معاش نے انسان کے سوچنے اور برتاؤ کو تبدیل کیا ہے، ہماری ہر نسل کا رویہ دوسری نسل سے مختلف ہے اور کبھی کبھی تو یہ نسلی تقسیم ۱۰ سال کے عرصے میں واجب ہو جاتی ہے۔ قدیم مرثیہ جہاں فضائل و مصائب کا بحر بیکراں ہے وہاں جدیدیت نے سوالات، موضوعات، فلسفے، منطق، حقوق انسانی، عدالت، اجتماعی بہتری اور خدمتِ انسانی کے پہلو کو مدِّ نظر رکھا ہے، سوشلزم اور کمیونزم نے اس پر چھاپ چھوڑی ہے۔

مرثیہ جدیدیت سے پر ہو یا کلاسیکل، جب مضمون آفرینی اور معنی آفرینی آپ کے دل کو چھو جائے، جب لکھائی مختلف ہو، خیال مختلف ہو لہجہ مختلف ہو مگر حق کی آواز اور حقائق کا انکشاف واضح ہو، جب لکھنے کا قلم زمین پر ہو پر خیال آسمانی محسوس ہو تو جدید اور قدیم ایک ہی منارے سے نکلنے والی روشنی کہلائیں گے، اس منارے کو مرثیے کی زبان میں حسینؑ ابن علیؑ کہتے ہیں۔

اس منارے سے نکلنے والی روشنی کے رنگ جدید بھی ہیں کلاسیکل بھی، آپ کو کوئی رنگ بھائے گا، مجھے کوئی رنگ۔

چونکہ تقدیسی ادب کی یہ صنف تمام اصناف کی چاشنی اپنے اندر رکھتی ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اقدار کی پابندی ہو، حدود و قیود کا پاس رکھا جائے، کوشش یہ ہونی چاہیے کہ شہرت کے بدلے عزت کا راستہ چنا جائے، اصل پیغام سے وابستگی ہو، کعبہ اصل جگہ پر برقرار رہے اور مرثیے کی ادبی نمائندگی میں اضافہ ہو۔

ان تمام اوصاف یہ وطیرہ، یہ تمام پہلو جن کا میں نے ذکر کیا یہ چلن، یہ روش، یہ تمام چلن، کو آپ یداللہ حیدر کی مرثیہ نگاری میں ملیں گے۔ یہ وہ شاعر ہے جو مرثیے کی تاریخی حدود سے آشکار ہے، حدود و قیود کو ترجیح دیتا ہے۔ تقدیس مرثیہ اس کے نزدیک داد سے بہتر ہے، گہوارۂ علم میں پرورش اپنی جگہ، ادبی فضا میں سانس لینا اپنی جگہ مگر اپنے زمانے میں عام روش کو اختیار کرنے کے بجائے بزرگوں کا وطیرہ اور کا طمطراق قائم رکھنا الگ بات ہے۔

دل کی خواہش ہے رقم مدحتِ شبیرؑ کروں — حلقۂ شعر میں فردوس کو زنجیر کروں
باپ کے چھوڑے ہوئے قصر کو تعمیر کروں — جو مرا ورثہ ہے قبضے میں وہ جاگیر کروں
مدحِ شبیرؑ کے جادے پہ قدم رکھا ہے
حوصلہ تول کے کاغذ پہ قلم رکھا ہے

اور جب کاغذ پر قلم رکھ لیتے ہیں تو کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ زبان و بیان میں علمیت ہو، فکر میں بلندی ہو، لہجے میں یقین ہو، حق کو حق اور باطل کو باطل تحریر کیا ہے۔

اے ربِّ علم رکھ مجھے جہل زباں سے دور — رکھ مجھ کو تو یقیں کی حدوں میں گماں سے دور
راہِ سخن میں خدشۂ سود و زیاں سے دور — گہنائے جس میں فکر ہر اس آسماں سے دور
جو راست ہے وہ راست لکھوں کج کو کج لکھو
باطل کے ہر خیال کو ذہنی اُپج لکھوں

یداللہ حیدرؔ چوں کہ ایک مصوّر بھی تھے لہٰذا ان کی شاعری میں مشاہدے کی طاقت، باریک بینی، جذبات کی عکاسی اور تخیل کی وسعت شامل ہیں۔ ان کی تمثیل کی دنیا بہت وسیع ہے اور وہ چیزوں کو منفرد انداز میں دیکھتے ہوئے اس نظم کا ہنر بھی جانتے ہیں۔

مصوّری نئے انداز کی میں کرتا ہوں — جدید ایاغ میں کہنہ شراب بھرتا ہوں
تغیرات کے رستے پہ پاؤں دھرتا ہوں — بھلا نگاہِ مبقر سے کب میں ڈرتا ہوں
خدا سے بس یہ دعا ہے کہ آبرو پا جائے
حرفِ کہنہ سے تخئیلِ نو نمو پا جائے

حسینؑ علم و شجاعت کا ایسا سنگم ہیں — جہاں پہ ساری صفاتِ رسولؐ باہم ہیں
انہیں کے غم کی بدولت تو آج ہم ہم ہیں — یہ مسجدیں یہ عزا خانے ہیں یہ ماتم ہیں
انہیں کے دم سے عبادت کی شان باقی ہے
انہیں کے صدقے میں اب تک اذان باقی ہے

یداللہ حیدر نے اپنے مراثی میں جدیدیت کے ساتھ ساتھ کلاسیکل پہلو کو بھی سامنے رکھا ہے، فکری ارتقا، اظہار کی پختگی، آگہی کا پاس، عقل کا احساس، فکر کی بلندی، شعور کی تازگی، لہجے میں یقین، اسلوب میں شعری جمالیات اور مزاج میں عقل پرستی اور خرد افروزی انہیں نمازِ علم پڑھنے نہیں لکھنے پر مجبور کرتے ہیں اور یہی ان کی کتابوں کا عنوان بھی ہے۔

دل کی خواہش ہے کہ پھر اک کاوشِ عمدہ کروں وادیٔ عقل و خرد میں پھر قدم رنجہ کروں
سورۂ الحمد کا پھر فکر پہ سایہ کروں آج پھر میں جانمازِ علم پر سجدہ کروں
آج پھر سج جائے فرقِ نُطق پہ تاجِ قبول
کاوشِ لوح و قلم پا جائے معراجِ قبول

یداللہ حیدر نے نمازِ علم کے ذریعے علم وارتقا، آسمان، انتقام، عقل وشعور، سبب ووجود، تبلیغ، آدمیت، سجدہ، دنیا، جدیدیت، وقت، تفسیر، صبر حمد ونعت ومنقبت، اتحاد، حق، دنیا اور آج، زبان وبیان، دعائے ندبہ، زمانہ اور امامِ زمانہ، درحال حضرت قاسمؑ، توفیق انتظارِ فکر اور عزاداری کے عنوانات پر طبع آزمائی کی ہے، یہ موضوعات زبان وبیان کی مہارت کے ساتھ ہمیں باطل سے نبرد آزما ہونے کی تحریک دیتے ہیں، وہ انسانیت کو کربلا کے پیغام کی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں، ان کی شاعری میں حسینؑ کا غم حوصلہ مندی کی علامت ہے اور یہ مرثیے فکر اور ارتقا کے راستے کو آپ کی نگاہوں پر عیان کر دیتے ہیں۔

اے مرے خامۂ سطوتِ شاہانہ دکھا اے مرے ذوقِ سخن ندرتِ شعرانہ دکھا
اے مرے دل کی پھبن فطرتِ مستانہ دیکھا میکدہ علم کا ہے طینتِ رندانہ دکھا
بادۂ علم جو بھر بھر کے مجھے آج ملے
رکھّوں منبر پہ قدم فکر کو معراج ملے

یداللہ حیدر نے اپنی شاعری میں مرثیے کو فوقیت دی، مرثیے حدود وقیود اور مہارت کو فوقیت دی، روایت کو فوقیت دی میری دعا ہے کہ ان کی اولاد ان کے نقشِ قدم کو ترجیح دے اور زمانے کے چلن کے برعکس روایات کی پاسداری اور مہارتِ فن کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مرثیے کی خدمت کرتے رہیں۔ یداللہ حیدر کی دعا کے ساتھ آپ سے اجازت۔

حیدر کر اب یہ عرض خدا سے کہ اے خدا ہم سوختہ دلوں کے لبوں پر ہے یہ دعا
قائم رہے ہمیشہ یہی جوش و ولولہ لوحِ ادب پہ چلتا رہے خامۂ رِثا
پائے عروج اور فنِ مرثیہ یہاں
پھولا پھلا رہے چمنِ مرثیہ یہاں

❁❁❁❁